ملن کے دیپ جلیں
ماہ وش چوہدری
sohniDigest.com

ناول

ماہ وش چوہدری

ملن کے دیپ جلیں

''تمہارے لپس بہت پیارے ہیں ہنی تمہیں کسی نے بتایا؟'' سترہ سالہ لڑکے نے عجیب سی نظروں سے اپنے ساتھ بیٹھی گیارہ سالہ لڑکی کے چھوٹے چھوٹے گلابی ہونٹوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا جو دیکھنے میں اپنی عمر سے دو، تین سال بڑی ہی لگتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتی وہ پھر سے بول اٹھا۔

''اور......اورتمہارے گال اف......ف......کیا میں ان پر پیار کرسکتا ہوں؟'' پرشوق نگاہیں اب پھولے سرخ گالوں پر تھیں۔

''بابا، تایا ابو اور بھیا بھی تو پیار کرتے ہیں مجھے پھر پرنس بھائی پوچھ کیوں رہے ہیں۔'' بچی کو حیرت تو ہوئی پر معصوم کچے ذہن نے نہ سمجھتے ہوئے آہستگی سے ہاں میں سر ہلا دیا۔ اجازت ملنے کی دیر تھی لڑکا فوراً سے اس کی جانب جھکا اور اس کے پھولے پھولے سرخ گال چھو لیے۔ چھونے کا انداز ہرگز عام نہ تھا۔ لڑکی کنفیوز سی پیچھے ہوئی۔

''ارے ہنی ڈرو مت۔'' اس نے لڑکی کو پیچھے ہٹتے دیکھ کر پھر سے قریب کیا۔

''پپ......پرنس......بھا......ئی یہ......یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔'' کپکپاتی پنکھڑیاں آہستہ سی وا ہوئیں۔

”پیار۔۔ بنی پیار۔“ وہ اس پر جھکتے ہوئے خمار آلود لہجے میں بولا۔

یہ ہرگز اس قسم کا پیار نہیں تھا جیسا سب کرتے تھے یہ تو...... گیارہ سالہ لڑکی کے معصوم ناپختہ ذہن میں پکڑ دھکڑ جاری تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکا اسے لے کر بیڈ پر جاتا اس نے خوفزدہ انداز میں منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

اس کی چیخ بھرپور انداز میں اسے اپنے کانوں میں گونجتی سنائی دی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ کمرے کے نیم اندھیرے میں ہر طرف اسے وحشت ٹپکتی محسوس ہوئی۔ جلدی سے ہاتھ مار کر لیمپ آن کیا تو وہ اپنے کمرے میں اپنے بیڈ پر موجود تھا۔ ”اکیلا“

”خواب۔“ اس کے ہونٹ بے آواز پھڑپھڑائے تھے۔

......

لغاری پیلس کے ڈائننگ ہال میں اس وقت ڈنر چل رہا تھا۔ ان کے ہاں ڈنر رات آٹھ سے نو کے درمیان کر لیا جاتا تھا۔ یہ مکرم لغاری کا بنایا ہوا اصول تھا جو سال ہا سال سے چلتا آ رہا تھا۔ اب تو وہ سب شہر سے حتیٰ کہ ملک سے باہر بھی ہوتے تو اسی روٹین کو فالو کرتے تھے۔

وہ ہمیشہ کی طرح اردگرد سے انجان اپنی پلیٹ پر جھکا خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔ مکرم لغاری نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈال کر پھیر لی۔ اس نے کھانا ختم کیا اور نیپکن سے ہونٹ تھپتھپا کر چیئر پیچھے کھسکائی اور کھڑا ہوا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“ مکرم لغاری کی سپاٹ آواز پر سب کے جھکے سر اس وجود کی طرف اٹھے جسے مخاطب کیا گیا تھا۔

”عدن کی طرف۔“ وہ سر کی سیدھ میں دیکھتا مختصراً بولا۔

”میں نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔ تفصیل اپنی ماں سے پوچھ لینا۔“ ان کے لہجے کی سختی کو وہاں موجود سب افراد نے بخوبی محسوس کیا تھا۔ مکرم لغاری کی نظریں اسی پر ٹکی تھیں جس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ بے تاثر، نہ حیرانگی، نہ غصہ اور نہ ہی ہلکی سی بھی خوشی کی رمق۔

وہ اسے ہی دیکھ رہے ہیں۔ وہ جانتا تھا اس لیے آہستگی سے سر کو اثبات میں جنبش دی اور کسی طرف بھی دیکھے

بنا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

ہال میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر اپنی ماں پر پڑی جو بمشکل اپنی نیند کو روکے اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے بے اختیار ماں پر پیار آیا۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے ان کی طرف چلا آیا۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟"

بیٹے کی آواز پر وہ صوفے کی پشت سے سر اٹھاتی اس کی طرف مڑیں۔

"تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"

"مت کیا کریں۔" وہ ماں کو دیکھتا مدھم سا بولا۔

"تمہارے بابا نے کہا تھا تمہیں تمہارے رشتے کی تفصیل بتا دوں۔"

"میں کہیں بھاگ نہیں رہا تھا۔" اس نے سوچا ضرور مگر کچھ بھی کہے بغیر ان کے سامنے صوفے پر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ نگین نے افسردگی اور پیار سے اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھا جو پچھلے تیرہ سال سے باپ کی دی سزا کاٹ رہا تھا اور اب پھر سے۔

ماں کی خاموشی پر اس نے سر اٹھایا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسی کو دیکھ رہی تھیں۔

"ممی! آپ کو کچھ بتانا تھا مجھے۔"

"ہوں...... ہاں۔" وہ چونک کر سیدھی ہوئیں۔ "تمہارے بابا نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے اطیب۔ اگلے ماہ تمہارے چچا کی فیملی پاکستان آ رہی ہے۔

"میرے رشتے سے ان کا کیا تعلق؟" اس نے ناسمجھی سے ماں کو دیکھا۔ بیٹے کی آنکھوں میں امڈتے سوال کو پڑھ کر وہ ہمت مجتمع کرتی بولیں۔

"تمہارے بابا نے تمہارا رشتہ دائنہ سے طے کیا ہے۔"

اطلاع تھی یا دھماکہ۔ اطیب لغاری نے بے یقینی سے ماں کو دیکھا، وہ نظریں چرا گئیں۔ چند پل تکلیف دہ خاموشی کے بعد نگین نے بیٹے کے ضبط سے سرخ پڑتے چہرے پر نظر جمائی۔

''تمہیں کوئی اعتراض؟''

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر تیزی سے اٹھ کر سیڑھیاں پھلانگ گیا۔

سار ی رات اس نے جس اذیت میں گزاری تھی یہ وہی جانتا تھا لیکن اب اس کے سپاٹ چہرے پر کسی تکلیف کسی اذیت کا نام ونشان نہ تھا۔ وہ پروقار چال چلتا کیبن کے سامنے رکا اور وہاں موجود لڑکی سے مخاطب ہوا۔

''کین آئی گو دیئر آفس؟''

''جسٹ آ منٹ سر۔'' لڑکی نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا اور ایکسٹینشن سے کال ملائی۔

''سر! اطیب سر آپ سے ملنا چاہتے ہیں، بھیج دوں۔'' دوسری طرف سے ملے گئے جواب پر اس نے اس برفیلے بندے کی یخ ٹھنڈی آنکھوں میں دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ پیچھے ہٹا اور اسی چال سے چلتا قریبی آفس کا دروازہ پش کر کے اندر داخل ہو گیا۔ مکرم لغاری فائل پر جھکے تھے جب وہ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔''

بیٹے کی آواز پر انہوں نے سر اٹھائے بغیر اثبات میں سر ہلایا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ چیئر گھسیٹتا بیٹھ گیا۔ پانچ، دس اور پھر بیس منٹ بعد اطیب نے بازو پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

''کیا اذلان بھائی بھی اتنی ہی دیر اپنی بات کرنے کا انتظار کرتے ہیں؟''

''یقیناً نہیں۔'' خود ہی سوال کا جواب دیا اور بےزاری سے آفس میں پڑی چیزوں کو دیکھنے لگا۔ مزید بیس پچیس منٹ انتظار کروانے کے بعد مکرم لغاری نے فائل بند کر کے پین کا ڈھکن دیا اور اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''بولو۔''

''آپ میری شادی کسی ڈرائیور، مالی یا چوکیدار کی بیٹی سے بھی کر دیں مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر۔'' وہ بنا تمہید باندھے فوراً بولا۔

''مگر۔'' انہوں نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

''مگر چچا کے ہاں نہیں۔'' اس نے دانستہ ''دانیہ'' نام لینے سے احتراز برتا۔اس کی بات پر مکرم لغاری نے ایک پرسکون سانس خارج کی اور آگے کو جھکے۔

''یونو واٹ، میں کسی ڈائیور، مالی یا چوکیدار کی بیٹی کو بھی تمہارے قابل نہیں سمجھتا۔''

ان کی بات پر ایک لمحے کو اطیب لغاری کے چہرے نے رنگت کھوئی تھی اگلے ہی لمحے وہ پھر سے سپاٹ تھا۔

''تو پھر جس سے کر رہے ہیں کیا میں اس کے قابل ہوں۔''

''نہیں۔تم اس کے بھی قابل نہیں۔'' انہوں نے سر کو دائیں بائیں حرکت دی۔''لیکن میں پھر بھی تمہاری شادی وہیں کرواؤں گا تاکہ تمہیں اپنی اوقات یاد رہے۔'' ان کے ٹھنڈے ٹھار لہجے پر اطیب نے انہیں دیکھا۔

''کیا اتنی اذیت کافی نہیں جتنی جھیل چکا ہوں۔'' سوال تکلیف دہ تھا مگر پوچھنے کا انداز کسی بھی تکلیف سے عاری تھا۔

وہ مسکراتے ہوئے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند گئے۔ان کے چہرے پر لکھے الفاظ واضح تھے۔

''اگر اب تک گزرا وقت تمہارے لیے اذیت تھا تو تم غلط تھے اطیب لغاری۔اذیت تو اب جھیلو گے جب ہر گھڑی ہر لمحہ اسے آنکھوں کے سامنے پاؤ گے۔''

اس نے تکلیف دہ انداز میں باپ کے چہرے پر لکھی تحریر پڑھی اور خاموشی سے اٹھ کر آفس سے باہر نکل گیا۔

کیوں ہر شخص مجھے درد دے جاتا ہے
کیا میرے دل پہ لکھا ہے یہاں درد لیے جاتے ہیں

''زنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔''

اسید درانی اپنا بیان شروع کر چکے تھے۔پورا ہال نوجوان مردوں سے کھچا کھچ بھرا پڑا تھا۔اس نے ہال میں داخل ہو کر چاروں طرف طائرانہ نظر گھمائی اور دائیں جانب کھڑکی کے پاس تھوڑی سی خالی جگہ پا کر اس طرف

بڑھ گیا۔

''اسلام میں زنا کے مرتکب کے لیے سخت سزائیں متعین کی گئی ہیں۔'' وہ مزید بولے تھے۔

مطلوبہ جگہ پہنچ کر گھٹنوں کو نیچے دبائے وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا اور سماعت اسید درانی کے بیان پر مرکوز کی۔

''امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''میں نہیں جانتا کہ قتل کے بعد زنا سے بڑھ کر کوئی اور گناہ ہو۔'' یعنی زنا گناہ کبیرہ ہے جیسے شرک اور قتل جیسے گناہوں کے بعد ایک بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا۔

ترجمہ: ''زانیہ اور زانی، کوڑے مارو ہر ایک کو ان دونوں میں، سو سو کوڑے۔''

زنا خواہ مرد کرے یا عورت دونوں ہی سزا کے حقدار ہیں اور ہر ایک کو سو کوڑوں کی سزا سنائی گئی ہے۔''

اس نے بے چینی سے نیچے دبا ایک گھٹنا اوپر اٹھایا سر ابھی بھی جھکا رکھا تھا۔

''احادیث مبارکہ میں بھی زنا کو ایک قبیح فعل کہا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زانی ایمان کی حالت میں زنا نہیں کرتا۔'' یعنی جب وہ زنا کرتا ہے تو وہ ایمان سے خالی ہو جاتا ہے۔

دوسری جگہ پر فرمایا: 3 قسم کے لوگوں کا کوئی عمل نہیں لکھا جاتا۔

1۔ نابالغ جب تک بالغ نہ ہو جائے۔

2۔ سویا ہوا جب تک بیدار نہ ہو جائے

3۔ مجنون جب تک ٹھیک نہ ہو جائے

میں وضاحت کیے دیتا ہوں کہ نابالغ سے ان گناہوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا جن کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے لیکن جن گناہوں کا تعلق بندوں کے ساتھ ہے ان گناہوں کے متعلق نابالغ سے بھی باز پرس کی جائے گی۔

زنا کرنے والا مسلمان خواہ عاقل، بالغ و نابالغ ہو جس نے یہ جرم اپنے اختیار سے کیا اور جرم کے لیے اس پر

کوئی زبردستی نہ کی گئی ہو تو وہ سزا کا حقدار ہے۔

آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرضداشت ہے کہ وہ ہمیں اور ہماری نوجوان نسل کو زنا جیسے کبیرہ گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔'' اختتامی دعا پڑھ کر انہوں نے منہ پر ہاتھ پھیرے اور مسکرا کر مجمع پر نگاہ ڈالی۔

''کوئی سوال؟''

''جی سر۔'' ان سے کچھ فاصلے پر موجود سولہ، سترہ سالہ لڑکے نے ہاتھ بلند کیا۔

''جی بیٹا کہیے۔'' وہ چہرے پر ہلکی مسکراہٹ سجائے پر تاثیر لہجے میں بولے۔

''سر! میرا سوال ہے کہ اگر کوئی زنا کرنے کے بعد توبہ کر لے تو کیا اس کی نجات ہو جائے گی؟''

لڑکے کے سوال پر سب کی حیران نظریں اس کی طرف مڑیں۔ عمر کے لحاظ سے سوال کافی بڑا تھا۔ اس نے بھی جھکا سر اٹھایا اور لڑکے کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں آئی نمی کی مقدار نے دیکھتے ہی دیکھتے بڑھ کر اس لڑکے کے خدوخال کو دھندلا دیا تھا۔ اس نے فوراً ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا اور نظریں پاؤں کے انگوٹھے پر مرکوز کیں۔

اسید درانی سب کی اس لڑکے کی طرف اٹھی حیران نظروں پر مسکرائے۔

''بیٹا! کوئی بھی گناہ ہو اس کے بعد سچی توبہ کرنا لازم ہے اور اس فعل پر نادم اور پشیمان ہونا مومن کی علامت ہے۔ اللہ پاک سے معافی طلب کرنی چاہیے وہ بڑا غفور ورحیم ہے۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا۔

ترجمہ: ''اور اللہ کے سوا گناہوں کی بخشش کون کرتا ہے۔''

لہٰذا اپنے کیے پر شرمندہ و نادم ہونا اور اس فعل سے سچی توبہ کر کے یہ عہد کرنا کہ اب یہ گناہ دوبارہ مجھ سے سرزد نہیں ہوگا ضروری ہے۔'' جواب دے کر انہوں نے دوسرا سوال پکڑا اور یوں باری باری سب کے سوالات کے جوابات دے کر انہوں نے محفل برخاست کی۔ مجمع کے چھٹتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور آہستگی سے چلتے اس کے سامنے آ بیٹھے۔

''بہت دن بعد آئے ہو اطیب؟''

اطیب لغاری نے اپنے کندھے پر ان کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے سر اٹھایا۔

''جی سر! کچھ مصروف تھا اس لیے پچھلے ویک نہیں آ سکا۔''

''خیریت۔''انہوں نے اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے استفسار کیا۔

''جی خیریت۔''وہ بدقت مسکرایا۔

''تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔''مسکرا کر اس کا کندھا تھپکا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آؤ کھانا تیار ہے۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتا ان کے پیچھے ہی ہال سے ملحقہ کمرے کی طرف چل پڑا۔جانتا تھا وہ انکار نہیں سنیں گے اور وہ انکار کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

''اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟'' کھانے سے فارغ ہو کر قہوہ پیتے ہوئے اسید درانی نے اسے دیکھا جو تھا تو خاموش طبع ہی لیکن آج روٹین سے ہٹ کر کچھ زیادہ ہی خاموش تھا۔جتنا ان کا جاننا ضروری تھا اتنا ہی اس کا بتانا بھی ضروری تھا۔چند پل خاموشی کی نذر کر کے اس نے گلا کھنکارا۔

''بابا میری شادی کر رہے ہیں۔''وہ آہستگی سے بڑبڑایا۔

اس کی بڑبڑاہٹ کو بمشکل سمجھ کر وہ بھرپور انداز میں مسکرائے۔

''یہ تو بہت اچھی خبر ہے اطیب۔میری طرف سے پیشگی مبارکباد۔''ان کے شریر انداز پر اس نے خفگی سے انہیں دیکھا

''تم خوش نہیں ہو؟''

''نہیں۔''

''کیوں۔''اس کے سنجیدہ تاثرات پر وہ حیران ہوئے۔

''میں ابھی شادی کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

”اپنے جملے کو درست کرو اطیب، شادی جھنجھٹ نہیں ایک سنت ہے جس کا ادا کرنا بہت ضروری ہے۔“

”سوری سر۔“ اس نے فوراً غلطی کا اعتراف کیا۔ اس کی فوراً غلطی مان کر اعتراف کرنے کی عادت انہیں بہت پسند تھی۔

”تو پھر اب بتاؤ، کیوں نہیں کرنی شادی ابھی۔ تیس کے ہو چکے ہو اور میرے خیال سے یہی مناسب عمر ہے۔ تم اس قابل ہو کہ شادی جیسا اہم فریضہ بااحسن طریقے سے نبھا سکو۔“

”سر! میں وہاں شادی نہیں کرنا چاہتا جہاں وہ رشتہ طے کر چکے ہیں۔“

”کس سے کیا ہے رشتہ طے؟“

”دا......دائنہ اکرام سے۔“ وہ ہچکچا کر بولا۔

”ہوں۔“ نام سن کر اسید درانی نے سر ہلا کر لمبی سی سانس لی اور خاموشی سے کپ ٹرے میں رکھ کر گھر کی طرف کھلتے دروازے کی طرف چلے گئے۔ ٹرے دے کر آئے اور واپس اپنی نشست پر بیٹھے۔ وہ سر جھکائے ابھی بھی اسی انداز میں بیٹھا تھا۔

”اطیب! تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔“

اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا آیا کیا اسید سر نے ہی یہ کہا تھا۔ اس کی سوالیہ نظروں پر انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

”یہی مناسب ہے اطیب۔ تمہیں اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا اپنی غلطی کی تلافی کا۔“

”یہ......یہ تلافی نہیں ہو گی سر۔ ایک تکلیف ہو گی، اذیت ہو گی جو ہم دونوں ہر اس لمحے محسوس کریں گے جب جب ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے اور ایسے رشتے میں بندھ کر سامنا نہ ہو یہ تو ممکن نہیں۔“ وہ تڑپ کر بولا تھا۔

اس کے انداز پر وہ مزید اس کے قریب ہوئے۔

”دیکھو اطیب، جو ہو چکا اسے بھول کر ایک نئی زندگی شروع کرو اس عہد کے ساتھ کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا تم سب کچھ ٹھیک کر لو گے۔“

”لیکن سر.......“

”خود کو توہمات کا شکار مت کرو اطیب، میں جانتا ہوں تم سب سنبھال لو گے بس صبر و برداشت سے کام لینا ہوگا اور اوپر والے سے بہتر کون جانتا ہے تمہیں اور تمہارے صبر کو۔ بے شک وہ پاک ذات کسی کی برداشت سے بڑھ کر بوجھ نہیں لادتی۔ اس نے تمہیں چنا ہے اس آزمائش کے لیے یہ اس کا فیصلہ ہے پھر تم اس فیصلے سے روگردانی کس طرح سے کر سکتے ہو، کیا ایک ادنیٰ سے بندے کو اپنے رب کے فیصلے سے اجتناب زیب دیتا ہے؟“

”نہیں۔“

اس کے نفی میں سر ہلانے پر وہ مسکرائے

”تو پھر پرسکون ہو جاؤ اور دل و دماغ کی مکمل آمادگی سے دائنہ اکرام کو اپنی زندگی کا حصہ بناؤ۔“ انہوں نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر ڈھارس بندھائی تھی۔

ان کی باتوں سے اطیب لغاری کو خود پر چھایا جمود چھٹتا دکھائی دیا تھا۔ اسے واقعی ڈھارس ملی تھی وہ اسی لیے تو ان کے پاس آتا تھا تاکہ ان کے مشوروں اور نصیحتوں سے مستفید ہو کر خود کو پرسکون کر سکے جیسا کہ اب اس لمحے اسے پچھلے چند دنوں کی اذیت زائل ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

۞......۞......۞

”دائنہ بیٹا! اس طرح سے کیوں بیٹھی ہو؟“

وہ پلر سے ٹیک لگائے سیڑھیوں پر بیٹھی دور خلاء میں نجانے کیا تلاش کر رہی تھی، ماں کی آواز پر پلٹی۔ وہ چہرے پر نرم سی مسکراہٹ لیے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

”کچھ نہیں ممی۔“ اس کے نفی میں سر ہلانے پر وہ اس کے ساتھ ہی سیڑھیوں پر بیٹھ گئیں۔

”کچھ تو ہے بیٹا۔ میں نوٹ کر رہی ہوں بہت چپ چپ سی ہو گئی ہو تم۔ کوئی پریشانی ہے تو ممی سے شیئر کرو میری جان یوں دل میں رکھنے سے بوجھ بڑھ جاتا ہے۔“ انہوں نے پیار سے اس کی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔ وہ کچھ بھی کہے بنا گود میں دھرے ہاتھوں کی انگلیوں کو مسلنے لگی جو اس کے اندرونی اضطراب کو ظاہر کر رہا تھا۔

”دائنہ بیٹا! پرابلمز شیئر کر لینے سے پرابلم بہت مائنر ہو جاتی ہے اور بعض اوقات تو اس کا حل بھی فوراً سے مل

جاتا ہے اس لیے ہچکچاؤ مت اور جلدی سے ممی کو بتاؤ کیا بات ہے۔'' ماں کی پیار بھری پچکار ہر اس نے پر امید نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ممی! کیا یہ ضروری ہے کہ میری شادی پاکستان میں ہو؟''

وہ اس کے معصوم سوال پر مسکرائیں۔

''نہیں ضروری نہیں لیکن جب لڑکا پاکستان میں ہے تو شادی بھی وہیں ہوگی ناں۔'' ان کے شریر انداز پر دائنہ نے ان کے ہاتھ تھامے۔

''ممی! مجھے...... مجھے تایا ابو کے بیٹے سے شادی نہیں کرنی ہے۔'' اس نے انگلی مروڑتے ہچکچا کر بات مکمل کی۔ اس کے تایا ابو کے بیٹے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''کیوں بھئی تایا ابو کے اتنے ہینڈسم بیٹے سے شادی کیوں نہیں کرنی میری بیٹی کو۔'' وہ ہمیشہ اپنے بچوں سے یونہی فرینڈلی بات کرتی تھیں تاکہ ان کی اولاد کسی ہچکچاہٹ یا ڈر سے بے بہرہ ہو کر ان سے اپنی ہر بات شیئر کر سکے۔

''ممی! مجھے وہ پسند نہیں۔''

''پسند تو مجھے تمہارے بابا بھی نہیں تھے اور اب دیکھو ذرا مجھے ان کے علاوہ کوئی اور پسند ہی نہیں۔'' ماں کے چہرے پر پھیلے عجیب سے ایکسپریشنز نے اس کے سنجیدہ تاثرات کو مسکراہٹ میں بدل دیا۔ بیٹی کے کھلتے لبوں کو دیکھ کر انہیں ڈھارس ہوئی مسئلہ کچھ زیادہ سیریئس نہ تھا۔

''اطیب بہت اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا ہے دائنہ، میں اور تمہارے بابا ابھی لاسٹ ائیر ہی تو پاکستان سے ہو کر آئے ہیں۔ ہاں تھوڑا ریزروڈ ہے بٹ یہ اس کی پرسنیلٹی پر سوٹ کرتا ہے۔ تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی انشاء اللہ۔'' انہوں نے دائنہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر تھپتھپائے۔

''اور اس کی سب سے اچھی اور اٹریکٹو عادت پتہ ہے کیا لگی مجھے۔'' وہ اشتیاقیہ بولیں۔

وہ دم سادھے انہیں ہی سن رہی تھی۔

''وہ ہر بات نظریں جھکا کر کرتا ہے۔ بہت عزت سے اور اس کی عادت سے مجھے تو بہت پراؤڈ فیل ہوا کہ

آج کل کے دور میں بھی اتنے شریف اور نیک لڑکے موجود ہیں جن کی نظر میں ان کے بڑے بزرگوں کی اتنی عزت ہے کہ وہ ان کے سامنے سر جھکا کر اور بہت سوچ سمجھ کر بات کرتے ہیں۔''

وہ لفظ ''شریف اور نیک'' پر اٹک چکی تھی۔ آگے ماں نے کیا کہا وہ سن نہیں پائی تھی۔

''شریف اور نیک کیا ایسے لوگ شریف اور نیک ہوتے ہیں؟'' دماغ نے فی الفور سوال داغا تھا۔ بات کرتے ہوئے تانیہ نے بیٹی کی غائب دماغی محسوس کر کے اس کا کندھا ہلایا۔

''دائنہ! از ایوری تھنگ اوکے بیٹا؟''

''ہوں...... ہاں۔'' وہ چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''جی...... جی ممی ایوری تھنگ اوکے۔''

''دائنہ بیٹا! تمہارے اور اطیب کے رشتے کی بات بہت پہلے سے طے تھی۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ دبا کر اطلاع دی۔ ماں کی بات پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''بہت پہلے سے طے تھی؟ اوہ...... کیا ممی سب جانتی ہیں۔'' وہ پریشان ہوئی۔

''کب...... کب سے طے تھی ممی......'' احتیاطاً لہجے کو نارمل رکھا۔

''یہی کوئی آٹھ نو سال پہلے تمہارے تایا ابو نے ہم سے بات کی تھی تب تم اور اطیب دونوں ہی بہت چھوٹے تھے اس لیے تم دونوں کے میچور ہونے تک اس بات کو ٹال دیا گیا تھا مگر اب جب مکرم بھائی نے پھر سے بات کی تو مجھے اور تمہارے بابا کو کوئی بھی پوائنٹ قابل اعتراض نہیں لگا اس لیے ہم نے یہ پرپوزل اس یقین کے ساتھ ایکسپٹ کر لیا کہ ہماری بیٹی کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ایم آئی رائٹ؟'' ان کے پر یقین انداز میں پوچھنے پر دائنہ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''اطیب از آ بیسٹ چوائس فار یو مائی گرل، سو بی ریلیکس اینڈ گو می یئور کیوٹیسٹ سمائل۔'' ان کی فرمائش پر بے خودی میں اس کے تاثرات ڈھیلے ہو کر سمائل میں بدل گئے۔ اس کی مسکراہٹ پر تانیہ نے جھک کر اس کا ماتھا چوما اور اسے اندر آنے کا کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

......۞......۞......۞

وہ آفس سے سیدھا اپنے کمرے میں جاتا اور پھر ڈنر کے لیے ہی نیچے آتا تھا لیکن آج چینج کرنے کے بعد

خلاف معمول وہ نیچے آیا۔ خالی گھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ تنہائی پسند تھا لیکن بعض اوقات یہی تنہائی اور خاموشی اسے بے چین کر دیتی تھی جیسے کہ اب۔ ادھر ادھر ماں کو تلاشتا وہ کچن میں آیا جہاں ملازمہ موجود تھی۔

''ممی کہاں ہیں سکینہ؟''

سکینہ نے پلٹ کر حیرانگی سے دیکھا۔ وہ بہت کم مخاطب ہوتا تھا اس لیے حیرانگی بجا تھی۔

''وہ جی بیگم صاحبہ اور عمارہ بی بی آپ کی شادی کی شاپنگ کے لیے گئی ہیں۔'' سکینہ نے شرما کر یوں بتایا جیسے اس کی اپنی شادی کی بات ہو۔

''ہوں۔'' اس نے سر ہلایا اور ساس پین اٹھا کر اپنے لیے چائے بنانے لگا۔

''صاحب جی، میں بنا دوں؟'' اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔''

یخ ٹھنڈے 'نہیں' پر وہ منہ بناتی پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ اس نے چائے بنا کر کپ میں انڈیلی اور کپ لیے لاؤنج میں چلا آیا۔ صوفے پر بیٹھ کر ٹی وی آن کیا۔ نیوز چینل آن ائیر تھا جس پر بریکنگ نیوز آ رہی تھی۔

''ناظرین! مریم قتل کیس میں اہم پیش رفت سامنے آئی ہے۔ پولیس نے جن چار افراد کو حراست میں لے رکھا تھا ان میں سے ایک شخص کا ڈی این اے میچ کر گیا ہے۔ یہاں آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ نو سالہ مریم کو چند دن پہلے زیادتی کے بعد بے رحمی سے قتل کر دیا گیا تھا۔''

اس کی پتھریلی نظریں سکرین پر جمی تھیں۔ ہاتھ میں پکڑے کپ کی ٹھنڈی چائے پر بلائی کی تہہ جم چکی تھی۔

''میرے خیال سے ایسے درندوں کو سر عام پھانسی دینی چاہیے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور دوبارہ ایسے ناسور پیدا ہی نہ ہو سکیں ہمارے معاشرے میں کیا خیال ہے تمہارا؟''

باپ کی آواز پر اس کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی اس نے کپ سامنے ٹیبل پر رکھا وہ ان کی بات بھی سن چکا تھا اور اس میں چھپا مفہوم بھی سمجھ چکا تھا۔ اس کی نظریں نہ تو سکرین پر تھیں اور نہ ہی باپ پر۔ وہ زمین پر موجود اپنے پاؤں کی انگلیوں کو گن رہا تھا۔ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں جیسے ہر بار گننے میں غلطی ہوگئی ہو۔

”کچھ پوچھا ہے میں نے۔“ مکرم لغاری چبھتے ہوئے پھر سے بولے تھے۔

”جی۔“ اس نے جھکے سر سے ہی آہستگی سے جی کہا۔

”کیا جی؟“ ماتھے پر شکن نمودار ہوئی تھی۔

”جیسا آپ نے کہا۔“ پھر سے مختصر الفاظ۔

”کیا کہا میں نے؟“ وہ اس کے منہ سے سننا چاہتے تھے وہ جان گیا تھا اس لیے جھکا سر اٹھایا مگر نظریں پھر بھی باپ کی طرف دیکھنے سے انکاری تھیں۔

”ایسے درندوں کو پھانسی دے دینی چاہیے۔“ وہ اتنی مدھم آواز میں بولا کہ مکرم لغاری بمشکل سن پائے۔اس سے پہلے کہ وہ مزید اسے ڈی گریڈ کرتے وہ چپل اڑستا لاؤنج سے نکل گیا۔انہوں نے تپتی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا۔

......

”اس بے غیرت نے تو اپنے نام کی لاج بھی نہیں رکھی۔اس کی پیدائش پر کتنی محبت سے میں نے اس کا نام رکھا تھا۔جانتے ہو اپنے نام کا مطلب؟“ وہ سرخ آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ کر چلائے تھے۔

باپ کی آنکھوں میں امڈتی نفرت نے اس کی آنکھوں کو نمی سے بھر دیا تھا۔اس نے معصومیت سے دائیں بائیں نفی میں سر ہلایا کہ کہیں جواب نہ دینے پر تھپڑ نہ پڑ جائے۔انہوں نے جھٹکے سے اس کا گریبان دبوچا۔

”بے غیرت انسان! تمہارے نام کا مطلب ہے،”نیک اور پاکیزہ“ جب کہ تم......“ انہوں نے رک کر غضبناک نظروں سے اسے گھورا۔”تم ان دونوں لفظوں کو مٹی میں ملا چکے ہو،نفرت ہو رہی ہے مجھے یہ سوچ کر کہ تم میری اولاد ہو۔“ انہوں نے نفرت سے زمین پر تھوکا۔”بدبو آ رہی ہے مجھے تمہارے وجود سے،گھن آ رہی ہے مجھے خود سے کہ میں تم جیسی گندی اولاد کو اس دنیا میں لایا۔“ ان کی آواز شدت ضبط سے پھٹ رہی تھی۔

وہ خوفزدہ سا باپ کا یہ انداز دیکھ رہا تھا۔وہ باپ جس نے آج تک اپنی اولاد سے اونچی اور غصیلی آواز میں بات نہیں کی تھی کجا کہ اس طرح چیخنا چلانا۔

”تم جیسی اولاد کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔“ وہ پھر سے چنگھاڑے تھے۔

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، ماردوں گا میں تمہیں۔'' انہوں نے اس کا گریبان کو جھٹکا دے کر گردن دبوچ لی تھی۔

''با......با......'' وہ اٹک اٹک کر بولا۔آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری تھا۔

''مت کہو مجھے بابا اپنی گندی زبان سے میں تمہارا باپ نہیں ہوں۔'' ان کی زبان کف اڑا رہی تھی اور گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی تھی۔اس کی آنکھیں باہر کو امڈ آئی تھیں۔اس سے پہلے کہ اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑتی وہ پوری طاقت سے چلا کر اٹھ بیٹھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا بابا۔'' آواز میں ہیجان تھا محسوس کی جانے والی تڑپ تھی۔

وہ اپنے بیڈ پر تھا۔اس کے کپڑے پسینے سے بھیگ چکے تھے،۔سانس کی رفتار معمول سے بہت تیز تھی۔دل کی دھڑکن اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔آج پھر اس ''خواب'' نے اسے بے سکون کر دیا تھا۔

✡......✡......✡

''دائنہ! جلدی سے اٹھ جاؤ بیٹا، علینہ آچکی ہے۔'' تانیہ نے کتاب میں سر دیے بیٹھی بیٹی کا کندھا ہلایا۔

''ممی! پہلے بھی تو میری شاپنگ آپ خود ہی کرتی ہیں اب بھی کرلیں ناں۔'' شاپنگ نام سے اس کی جان جاتی تھی اس لیے ماں کے ہاتھ پکڑ کر لجاجت سے بولی۔اوپر سے علینہ نامی بلا کے ساتھ شاپنگ، اف جو ہر شاپ پر گھس کر یوں چیزیں دیکھتی اور بارگیننگ کرتی تھی جیسے واقعی میں خریدے گی بھی ہونہہ......اس نے سوچ کر سر جھٹکا۔

''پہلے کی بات اور تھی میری جان، اب شادی پر کچھ تو اپنی پسند سے بھی خریدو۔کہیں میری خریدی گئی اولڈ فیشن چیزوں پر اطیب تمہارا مذاق نہ اڑائے۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے چھیڑا۔

''اوہ ممی، کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ میرے سامنے میری ممی کی چوائس کا مذاق اڑائے۔'' اس نے ہاتھ کا پنچ بنا کر ہوا میں لہرایا۔اس کے شرارتی انداز پر وہ ہنس دیں۔

''اچھا بس۔اب اٹھ جاؤ علینہ یہاں آگئی تو تمہاری خیر نہیں۔'' انہوں نے الماری سے اس کا ڈریس نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''اوہ یس، علینہ چڑیل یہاں آ گئی تو واقعی خیر نہیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے ہینگر تھاما اور چھپاک سے واش روم میں گھس گئی۔ پیچھے علینہ کا پھینکا ہوا جوتا واش روم کے بند دروازے سے ٹکرا کر زمین پر گر گیا۔

''بہت بدتمیز ہے خالہ آپ کی بیٹی۔ میں تو اس کی شادی ہو جانے کے بعد سو نوافل ادا کروں گی کہ جان چھوٹی۔'' اس نے جان چھوٹنے پر ہاتھ بھی ابھی سے جھاڑ لیے۔ تانیہ اس کی بات سن کر مسکراتی ہوئیں باہر نکل گئیں۔ ان دونوں کی لڑائی اور پیار کو سب ہی بخوبی جانتے تھے۔

....

لغاری پیلس میں وہاں کے چھوٹے سپوت اور گھر کی آخری شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ مکرم لغاری اس جوش و خروش پر ناخوش ہوتے ہوئے بھی خاموش تھے۔ وہ ناخوش تھے تو کیا ہوا باقی سب تو خوش تھے اور اس لحاظ سے ان سب کو خوشی منانے سے روکنا ناحق تھا۔ گو کہ اس شادی سے صرف وہ ہی نہیں بلکہ وہ شخص بھی ناخوش ہی دکھتا تھا جس کے لیے یہ سب دھوم دھڑ کا جاری تھا۔

کل چچا کی فیملی پاکستان آ رہی تھی اور بابا نے اصرار کر کے انہیں لغاری پیلس ٹھہرنے پر منایا تھا۔ وہ لوگ تانیہ چچی کے بھائی کے گھر رکنا چاہتے تھے جو اسلام آباد میں رہائش پذیر تھے۔

''اپنے گھر کے ہوتے ہوئے تم کہیں اور کیوں ٹھہرو گے اکرام۔''

ان کی اونچی میں کی گئی بات لاؤنج سے گزرتے اطیب نے باخوبی سنی تھی یا پھر اسے سنانے کو ہی انہوں نے آواز کو اونچا رکھا تھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ وہاں سے تو گزر آیا تھا مگر اب اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی تنی ہوئی رگیں پھٹنے پر آ چکی تھیں کہ وہ ان کا سامنا کیسے کرے گا۔ گو کہ چچا چچی اس بات سے بے خبر تھے لیکن ان کی ''بیٹی'' اور یہیں پر آ کر اس کی ساری سوچیں اس کے دماغ میں جھکڑ چلانا شروع کر دیتی تھیں۔ بالآخر تھک کر اس نے سر اسید سے فون پر آنے کی اجازت لی اور گاڑی کی چابی اٹھا کر ان سے ملنے نکل گیا۔

....

علینہ اور تانیہ کی مدد سے روتے، ہنستے اس نے اپنے کمرے کی چیزوں کو سمیٹا اور ضرورت کی ساری چیزوں کو

پیک کر لیا تھا۔ پیکنگ سے فارغ ہوتے ہی تانیہ ان کے لیے چائے بنانے چلی گئی تھیں۔ علینہ شاور لینے اس کے واش روم میں گھس گئی اور وہ خود ٹیرس پر نکل آئی تھی۔ پلر سے ٹیک لگا کر سیڑھی پر بیٹھی اور نظریں دور نیلے افق پر اڑتے پرندوں کے غول پر ٹکا دیں جو بڑی ترتیب سے قطار میں کبھی ایک طرف تو کبھی دوسری طرف چہکتے پھر رہے تھے۔ نظریں وہیں تھیں لیکن دماغ کہیں اور پرواز بھر چکا تھا۔

''کیا ہوگا؟'' ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا اس کے دماغ میں جو دن میں دس دفعہ اسے بے چین کرتا تھا۔ زندگی کس جانب کروٹ لینے جا رہی تھی اور وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پائی تھی۔ ہاں لڑکی ہو کر وہ کرتی بھی تو کیا۔ ایک انکار ہی تھا اس کے پاس کرنے کو جو اس کی ماں نے بہت پر یقین انداز میں اسی کو لوٹا دیا تھا کہ بیٹیاں تو ماں باپ کے قول کا مان رکھتی ہیں اور اس نے مان ہی تو رکھا تھا ماں باپ کا پھر دل پر سکون کیوں نہیں تھا۔

''ارے ہنی! یہاں کیوں بیٹھی ہو۔'' علینہ کی پکار پر وہ ماتھے پر تیوری لیے اس کی طرف مڑی۔

''یہ ہنی کسے کہا تم نے۔'' اسے لفظ ہنی سے سخت اختلاف تھا کیوں؟ یہ اس نے کسی کو بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ سب جانتے تھے اسے ہنی لفظ سے چڑ ہے اس لیے کوئی بھی اسے اس طرح مخاطب نہیں کرتا تھا یہ علینہ تھی اپنی من مرضی کی مالک اس لیے چڑاتی مسکراہٹ لیے وہ اس کے ساتھ ہی آ بیٹھی۔

''تمہیں کہا ہے اور کون ہے یہاں ویسے بھی ہنی لفظ تم پر ہی سوٹ کرتا ہے بے بی۔'' اس نے شرارت سے اس کے سیاہ رنگ بالوں کی لٹ کو کھینچا۔

''علینہ پلیز......'' دائنہ نے بمشکل آنکھوں میں آئی نمی کو اندر اتارا اور اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

''آج بتا ہی دو دائنہ، تمہیں ہنی لفظ سے چڑ کیوں ہے آخر۔ ویسے بھی تم کل جا رہی ہو ہمیشہ کے لیے اس لیے جانے سے پہلے اسے میری آخری خواہش سمجھ کر ہی بتا دو یار۔'' اس نے آنکھیں پٹپٹا کر معصومیت سے یوں پوچھا جیسے دائنہ نہ جا رہی ہو بلکہ وہ خود جا رہی ہو وہ بھی اپنے آخری سفر پر۔ اس کے ایکسپریشنز بھی دائنہ کی سنجیدگی کو ختم نہیں کر سکے۔

''کیا بات ہے دائنہ! اتنی سیریئس کیوں ہو رہی ہو۔ کل کلاں کو اگر اطیب بھائی نے تمہیں ہنی کہہ دیا تو کیا ان سے بھی یہی سلوک کرو گی۔''

''علینہ پلیز، مجھے تنگ مت کرو۔'' وہ ہونٹ کاٹتی بمشکل بولی۔علینہ کی بات پر دل میں انی سی چبھی تھی۔

''اچھا چھوڑو اس بات کو۔ یہ بتاؤ جب اطیب بھائی کو پہلی نظر دیکھو گی تو کیا ری ایکٹ کرو گی۔ مطلب شرماؤ گی یا پھر......'' دائنہ کی گھورتی نظروں نے علینہ کو بریک لگائی۔

''کیا یار دائنہ، بہت ہی بور ہو قسم سے۔'' اس نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

پہلے تو مجھے تمہیں دیکھ کر اطیب بھائی پر ترس آتا تھا کہ کیسے وہ تم جیسی پھٹی پرانی روح کے ساتھ گزارا کریں گے لیکن جب سے عمارہ بھابھی سے بات ہوئی ہے تو فکر یہ سن کر اڑن چھو ہوئی کہ موصوف تصویریں ہی نہیں بنواتے۔ اف گاڈ کہ......'' وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتی آگے کو جھکی تاکہ براہ راست دائنہ کے تاثرات دیکھ سکے۔'' کہ آجکل کے زمانے میں بھی سن ستر کی دہائی کے لڑکے موجود ہیں۔'' اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی۔

''تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' وہ پھاڑ کھانے کو تھی۔

''نہ......نہ......مجھے کیا تکلیف، تم دونوں کا جوڑ اوپر والے نے بنایا ہے اور یقیناً بہت سوچ سمجھ کر بنایا ہے۔'' آنکھ مار کر کہتی وہ کانوں کو چیرتے قہقہے بکھیرتی آگے آگے تھی اور دائنہ ہاتھ میں چپل لیے اس پر حملہ آور ہونے کو اس کے پیچھے پیچھے۔

✵......✵......✵

وہ دونوں آمنے سامنے زمین پر بچھے قالین پر بیٹھے تھے۔ اطیب لغاری اپنی بے چینی اسید درانی سے شیئر کر چکا تھا اور اب خاموشی سے ان کے جواب کا منتظر تھا۔ چند منٹ بعد انھوں نے گلا کھنکارا اور ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر دباؤ ڈالا۔

''دیکھو اطیب! تمہاری یہ بے چینی بے بنیاد ہے وہ بچی نہیں رہی اب لہٰذا بہت سوچ سمجھ کر ہی اس نے اپنے والدین سے اس رشتے پر اقرار کیا ہوگا۔ تم خود کو بلاوجہ ہلکان مت کرو جب ایک کام ہونا ہی ہے تو پھر ڈر کیسا اب کیا ساری زندگی یونہی ڈرتے گزار دو گے۔'' ان کا لہجہ نرم مگر دوٹوک تھا۔

''میں ڈر نہیں رہا ہوں سر لیکن......''

''لیکن سامنا کرنے سے کترا رہے ہو۔''

”جی۔“اس کے سر ہلانے پر وہ مسکرائے۔

”بی لیو می مائی سن کچھ نہیں ہوگا۔تم تو......“انہوں نے رک کر اسے دیکھا۔”حد ہے اطیب لغاری!میں تمہیں اتنا بزدل ہرگز نہیں سمجھتا تھا۔“ان کے پر مزاح انداز پر اطیب لغاری بھی ہنس دیا۔

”سر!ہلکا مت لیں مجھے۔“اس کے جواب پر وہ کھل کر مسکرا دیئے۔

”دیٹس پوائنٹ اطیب لغاری۔تم ہلکے ہو بھی نہیں لیکن خدارا اس معاملے کو ہلکا ضرور لو۔نکاح ایک بہت ہی مقدس اور پاکیزہ رشتہ ہے اطیب اور تم اسی رشتے کو استوار کرنے جا رہے ہو اس لیے آج میں تم سے نکاح کی فضیلت پر کچھ ضروری احکام شیئر کرتا ہوں تا کہ تمہیں اپنی ہچکچاہٹ کی گرہیں کھولنے میں مدد مل سکے۔“

”جی سر ضرور۔“وہ سر ہلا کر مؤدب طریقے سے سیدھا ہو بیٹھا۔اسید درانی نے قریب پڑے گلاس سے پانی پیا اور گلا کھنکار کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

”ہمارے اسلام میں نکاح کو بہت اہمیت حاصل ہے۔اسلام کی نظر میں نکاح محض انسانی خواہشات کی تکمیل اور فطری جذبات کی تسکین کا نام نہیں ہے اطیب بلکہ نکاح کو انسانی بقا و تحفظ کے لیے بھی ضروری کہا گیا ہے یہاں تک کہ اسلام نے تو نکاح کو احساس بندگی اور شعور زندگی کے لیے عبادت سے تعبیر فرمایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے۔ارشاد نبوی ہے:”النکاح من سنّتی“ نکاح کرنا میری سنت ہے۔

حتیٰ کہ ایک دوسرے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کو آدھا ایمان تک قرار دیا ہے،فرمایا۔

ترجمہ:”جو کوئی نکاح کرتا ہے تو وہ آدھا ایمان مکمل کر لیتا ہے اور باقی آدھے دین میں اللہ سے ڈرتا رہے۔“انہوں نے لمبی سی سانس کھینچ کر اسے دیکھا جو نظریں جھکائے بہت غور سے انہیں ہی سن رہا تھا۔

”قرآن و سنت کے علاوہ نکاح کے دیگر فوائد میں شہوت کی آفت دور ہو جانے کی وجہ سے شیطان سے بچاؤ بھی ہے۔نفس کی راحت بھی ہے اور بیوی کی رفاقت سے انس و محبت بھی ہے۔یہ ایک ایسا بندھن ہے کہ جس میں قبولیت کے”تین“الفاظ سے ہی محبت کا بیج پنپنا شروع ہو جاتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک تناور درخت بن کر سونے آنگن میں محبتوں کے بہت سے پھول بھی کھلا دیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔''شادی کے اندر ایک سال کی عبادت بغیر شادی کے ایک ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے۔''(طبرانی)

تو بیٹا جی اب سوچنے کی باری تمہاری ہے کہ تم نے اس فریضے کو عبادت سمجھ کر قبول کرنا ہے یا پھر صرف ایک تعلق بنانا ہے۔''انہوں نے اس کے کندھے کو تھپکا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔''کھانا کھا کر جانا اطیب، میں ذرا گھر پر بتادوں۔''اسے سوچوں میں گھرے دیکھ کر وہ گھر کی طرف کھلتے دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

اسید درانی سے اس کی پہلی ملاقات بیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔وہ لاہور کے کالج سے مائیگریٹ ہو کر اسلام آباد آیا تھا۔اسے وہاں آئے چار ماہ اور چند دن ہوئے تھے جب ایک روز کالج کے گراؤنڈ میں بیٹھ کر اسائنمنٹ بناتے ہوئے اس کے کانوں میں قریبی گروپ کے لڑکوں کی آوازیں پڑی تھیں جو اسید درانی کے اس جمعہ کو ان کے کالج میں ہونے والے لیکچر پر بات چیت کر رہے تھے۔

''اس بار ان کا ٹاپک ''نوجوان نسل کی بے راہ روی ہے۔''ان میں سے ایک لڑکے نے باقیوں کو مطلع کیا تھا۔

''ہاں میں بھی نوٹس بورڈ پر پڑھ کر آرہا ہوں۔ان کا پچھلا لیکچر مجھ سے مس ہو گیا تھا پر اس بار ہر قیمت پر لیکچر اٹینڈ کرنا ہے۔''ارادہ پکا اور جوش دیدنی تھا۔اس نے فائل سے سر اٹھا کر اس لڑکے کو دیکھا جو تقریباً اسی کا ہم عمر تھا۔

''بالکل۔''ایک اور لڑکا بولا تھا۔''ان کی باتوں کو سننے کے بعد بہت سے مسائل کا حل خود بخود نکل آتا ہے یار۔میں نے لاسٹ ٹائم جو لیکچر لیا تھا ابھی تک دماغ میں تروتازہ ہے اس انداز میں بیان دیتے ہیں کہ بندہ عمل پر مجبور ہو جائے۔''وہ سب اسید درانی کو بہت عزت اور احترام سے مخاطب کرتے ہوئے ڈسکشن کر رہے تھے۔

وہ بے زاری سے اٹھا، اپنی چیزیں سمیٹیں اور گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ان سب باتوں کو سننے کے بعد بھی اس لیکچر کو لینے کا اس کا بالکل ارادہ نہیں تھا۔

اگلے دو دن میں اسے مزید پتہ چلا کہ اسید درانی ایک مذہبی اسکالر ہیں اور ان کا تعلق لاہور سے ہے۔وہ کسی

مذہبی جماعت سے وابستہ نہیں بلکہ یکطرفہ طور پر دین اسلام کی تبلیغ کے لیے کوشاں ہیں۔ وہ سال میں دو دفعہ مختلف سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز میں اپنا لیکچر منعقد کرتے ہیں اور جہاں تک ہو سکے نئی نسل کو سنوارنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنی رہائش گاہ پر بھی ہفتے میں دو دن بیان کے لیے مقرر کر رکھے ہیں اور اگر کوئی اکیلے میں کسی راہنمائی کے سلسلے میں ملنا چاہے تو بھی وہ بلا تامل میسر ہوتے ہیں۔ اس ساری معلومات کے بعد بھی اس کا موڈ لیکچر لینے کو نہیں بن سکا تھا۔

دائنہ نے ایک آخری نظر اپنے کمرے پر ڈالی اور آنسو روکتی باہر نکل آئی۔ وہ لوگ آج پاکستان جا رہے تھے۔ باقی سب نے تو واپس آنا تھا پر وہ کب آ سکے گی وہ نہیں جانتی تھی۔ تانیہ بیٹی کا سرخ چہرہ دیکھ کر لاؤنج میں اس کے قریب آ کر بیٹھیں۔

''اداس لگ رہی ہے میری بیٹی۔'' انہوں نے اس کے گرد بازو کا حصار باندھا۔ ماں کا لمس پا کر وہ ان کے سینے سے لگتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ جب جی بھر کر رو لیا تو ان سے الگ ہوئی۔

''آئی ایم سوری ممی۔''

''اٹس اوکے میری جان۔'' تانیہ نے پیار سے اس کے بال سنوارے اور اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا ممی کہ آپ لوگ بھی پاکستان شفٹ ہو جائیں۔''

''ہو سکتا ہے لیکن اتنی جلدی ممکن نہیں ہے یہ سب دانی۔''

''ممی! میں...... وہاں...... اکیلی کیسے......'' وہ ہچکچا کر بولی۔ اس کی معصومیت پر تانیہ مسکرا دیں۔

''تم اکیلی کہاں ہو گی میری جان، تمہارے تایا ابو کی پوری فیملی ہو گی اور پھر احسان بھائی بھی تو پاکستان میں ہی ہیں اور سب سے بڑھ کر اطیب ہو گا نا تمہارے ساتھ۔'' وہ شریر ہوئیں۔ ''اور جب اطیب ہو گا تو تم ہم سب کو بھول بھال جاؤ گی۔''

''کون بھول رہا ہے اور کس کو بھول رہا ہے بھئی۔'' علینہ بات اچکتی ان کے سامنے صوفے پر دھڑام سے آ بیٹھی۔ ''اوہ یہاں کوئی ایموشنل سین چل رہا تھا کیا؟'' اس نے دائنہ کی روئی روئی آنکھوں کو دیکھ کر آنکھیں

پھاڑیں۔

''تو تمہیں کیا مسئلہ ہے ایڈیٹ۔ اپنے گھر بھی ٹک جایا کرو کبھی۔'' دائنہ نے چڑ کر منہ بناتے ہوئے کہا۔

''لو جی سنو۔'' اس نے بڑی بیبیوں کے انداز میں سینہ پیٹا۔ ''خالہ! آپ کی بیٹی تو ابھی سے بھول بھال گئی سب۔'' صدمہ شدید تھا۔ ''ابھی تو اطیب بھائی وہ......ہ......ہ......وہاں پاکستان میں ہیں۔'' اس نے ہاتھ سے دور ہونے کا اشارہ کیا۔

''ممی! سمجھالیں اپنی آدھی بہو کو ورنہ......'' اس کے ناک پھلا کر آدھی بہو کہنے پر تانیہ اور علینہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ علینہ کا نکاح دائنہ کے اکلوتے بڑے بھائی سے ہوا تھا لیکن رخصتی باقی تھی اسی لحاظ سے اس نے آدھی بہو کہا تھا۔

''تھینک گاڈ! تمہیں یاد تو آیا کہ میں کون ہوں۔'' علینہ نے سینہ سہلا کر ہنسی روکی اور شرارت سے آنکھیں مٹکائیں۔ دائنہ کی شکل دیکھ کر تانیہ بھی اسے چھیڑنے سے باز نہیں آئیں۔

''ارے بھئی میری آدھی بہو میری پوری بیٹی کو تنگ مت کرو۔''

ان کے مسکینی سے کہنے پر علینہ تو علینہ، دائنہ بھی کھلکھلا کر ہنس دی۔

۞......۞......۞

''تم......تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے سب۔ تم نے......تم نے اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنے باپ کی نظروں میں گرا دیا ہے۔ کیسے بیٹے ہو تم جس نے اپنی ماں کی تربیت کو گالی بنا دیا۔ تمہارے باپ نے پچیس سالہ رفاقت میں مجھ سے اس طرح سے بات نہیں کی جس طرح سے پچھلے چند دن میں مجھ سے کی ہے اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ صرف تمہاری وجہ سے۔'' وہ بکھرے بالوں کو چہرے سے پیچھے ہٹاتیں اس کی طرف جارحانہ انداز سے بڑھیں۔

''کیوں اتنا گر گئے تم کیوں۔ں۔ں۔'' انہوں نے گریبان پکڑ کر اسے سر تا پا جھنجھوڑ ڈالا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا ممی۔''

''تم نے کچھ نہیں کیا۔'' اس کے الفاظ سن کر وہ ہذیانی انداز میں چلائیں۔ گریبان بہت زور سے جھٹکا تھا مگر

چھوڑا نہیں۔

”کیا تم جانتے نہیں تم کیا کر چکے ہو۔“

آنسوؤں سے بھری آنکھیں ماں کے پتھرائے چہرے پر ٹکیں تھیں۔

”مم......میں نے......میں نے کچھ نہیں کیا ممی صرف......صرف کرنے کا ارادہ کیا تھا۔“اس نے اٹکتے ہوئے گھبرا کر جواب دیا تھا۔

ان کا ہاتھ اٹھا اور اس کے گالوں پر ہتھیلی کے علاوہ ماں کی انگلیوں میں پہنی انگوٹھیوں کے نشان بھی چھپ گئے۔جلن اور چبھن شدید تھی اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

”عمل کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔“وہ چلائیں۔”اور تم نے نیت کی تھی ارادہ کیا تھا تم نے،عمل نہیں کیا تو کیا ہوا لیکن ایسا کرنا تو چاہا تھا ناں تم نے۔“

ایک اور تھپڑ پڑا تھا۔یہ نجانے کتنواں تھپڑ تھا جو پچھلے چار دن سے وہ وقفے وقفے سے ماں اور باپ کے ہاتھوں کھا رہا تھا۔اب تو اس نے گنتی کرنا بھی چھوڑ دی تھی۔

”تمہارے باپ نے ٹھیک کہا ہے۔تم سزا کے حقدار ہو تمہیں سزا ملنی چاہیے۔“انہوں نے نخوت سے کہہ کر اسے پیچھے کو دھکیلا۔وہ توازن نہیں رکھ پایا تھا اور پیچھے کو گرا۔سر بہت زور سے ٹیبل سے ٹکرایا تھا۔اس کے منہ سے تکلیف سے بھرپور چیخ نکلی تھی۔

وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا۔سینہ سہلا کر دھونکنی کی مانند چلتے سانس کو متوازن کیا اور اٹھ کر وضو کرنے چل دیا۔اس خواب کے بعد اب نیند کسے آنی تھی۔

......

وہ کلاس روم میں بیٹھا نوٹ بک پر جھکے کوئی سوال حل کر رہا تھا جب کسی نے پیچھے سے اس کا کندھا ہلایا۔اس نے قلم روکا اور ناگواری سے مڑ کر پیچھے کھڑے اپنے کلاس فیلو کو گھورا۔

”تم نے جمعہ پڑھنے نہیں جانا کیا؟“لڑکے نے حیرانگی سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

”آج اسید سر کالج کی مسجد میں جماعت کروا رہے ہیں۔“اس نے اس کے برہم تاثرات پر مزید اطلاع

دی۔

"نہیں۔" انداز پھاڑ کھانے والا تھا۔

"کیوں؟" بھنویں اچکا کر پوچھا گیا۔

"میری مرضی۔" صفاچٹ جواب دے کر وہ پھر سے نوٹ بک پر جھک گیا۔لڑکے نے کندھے اچکا کر دفع دور کہا اور کلاس سے نکل گیا۔

"اسید درانی نہ ہوا مادھوری ڈکشٹ ہوگئی کہ جس کا رقص دیکھے بنا چین نہیں۔ ہونہہ۔" بڑبڑا کر سر کو جھٹکا دیا اور اگلا سوال حل کرنے لگا۔اسے نہیں یاد تھا کہ اس نے آخری جمعہ یا پھر آخری نماز کب پڑھی تھی، پڑھی بھی تھی یا کہ نہیں،۔ماموں اکثر اسے نماز پڑھنے کا کہتے تھے جسے وہ ہمیشہ "جی اچھا" کہہ کر ٹال دیتا تھا۔

تین بجے کے قریب اس نے نوٹ بک بند کر کے بیگ میں ڈالی، بیگ کندھے پر لٹکایا اور گھر جانے کے لیے کلاس سے نکل آیا۔پورے کالج میں چھائی خاموشی بتا رہی تھی کہ سب لیکچر لینے آڈیٹوریم میں موجود تھے۔اس نے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونسے اور اپنے جوگرز کو دیکھتا ناک کی سیدھ میں چل پڑا۔اس نے سیدھا چلتے ہوئے کب ٹرن لیا وہ نہیں جانتا تھا۔چونکا تو تب جب گارڈ نے اسے اندر جانے سے روکا۔اس نے سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے گارڈ کو گھورا۔

"اندر جانے سے پہلے اپنا بیگ یہاں جمع کروا کر جاؤ۔"

"اندر؟ میں تو باہر جا رہا تھا۔"اس نے حیران نظروں سے سامنے دیکھا جہاں سفید روشنائی سے لکھا "آڈیٹوریم" جگمگا رہا تھا۔"اوہ" اس کے ہونٹ بے اختیار وا ہوئے۔

لیکن اب غلطی سے ہی سہی آ ہی گیا ہوں تو دیکھ لیتا ہوں جا کر۔وہ اپنے خیال پر کنجوسی سے مسکرایا اور بیگ اتار کو گارڈ کو پکڑا دیا۔اس سے نمبر چٹ لی اور آگے بڑھ گیا۔

اندر کا منظر حیران کن تھا۔ہال لڑکوں سے مکھیوں کی طرح بھرا ہوا تھا، کچھ لڑکے چیئرز پر بیٹھے تھے جن کو چیئر نہیں ملی وہ زمین پر ہی پسکڑا مارے ہوئے تھے اور جنہیں زمین پر بھی جگہ نہ ملی وہ کھڑے ہو کر ہی لیکچر سن رہے تھے۔مطلب لیکچر سننا ضرور تھا۔

اتنے لوگوں کی موجودگی میں بھی وہاں پن ڈراپ سائلینس تھی صرف ایک شخص کی آواز پورے آڈیٹوریم میں گونج رہی تھی جو وہاں بنے اسٹیج پر ڈائس کے پیچھے کھڑا تھا۔اس نے آنکھیں سکیڑ کر اس شخص کا جائزہ لینا شروع کیا جس کے متاثرین وہاں کثیر تعداد میں موجود تھے۔وہ چالیس سے پینتالیس کی درمیانی عمر کا سوبر سا مرد۔تھا سفید شلوار قمیض پر واسکٹ پہنے ہوئے تھا۔پیروں میں کالے رنگ کے ہی سینڈل تھے اس کی کنپٹی پر موجود سفید بالوں نے اس کی پرسنیلٹی کے وقار کو مزید بڑھا دیا تھا۔

مختصر جائزہ مکمل ہوا۔

"یہ کن کاموں میں لگ گیا شوبز جوائن کر لیتا تو اچھا خاصہ پیسہ کما سکتا تھا۔" اپنی سوچ پر دل ہی دل میں ہنسا اور کان بند کر کے باری باری سب کے چہرے دیکھنے لگا۔وہ سب اسی کی عمر یا دو،ایک سال چھوٹے بڑے لڑکے تھے جو ارد گرد سے غافل انتہائی انہماک سے اسید درانی کی طرف متوجہ تھے۔

اسے اتنے انہماک اور خاموشی سے چڑ سی ہوئی،اس نے ہاتھ مار کر قریبی کولر پر دھرا گلاس گرا دیا۔گلاس گرا اور کانچ ادھر ادھر بکھر گیا۔خاموشی میں گلاس ٹوٹنے کا ارتعاش ہوا تھا اور سب کی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔کچھ میں غصہ تھا کچھ میں ناگواری اور کچھ ملامت کرتی ہوئی تھیں۔وہ اتنی نظروں پر گڑبڑا کر کانچ اٹھانے کو جھکا تھا جب مائیک سے آواز آئی۔

"بیٹا! دھیان سے کہیں کانچ نہ چبھ جائے۔" آواز میں محسوس کی جانے والی نرمی اور فکر تھی۔وہ ایک لمحے کو مسمرائز ہوا تھا لیکن اگلے ہی پل اس نے سر جھٹک کر کانچ کے چند بڑے ٹکڑے اٹھا کر ڈسٹ بین میں پھینکے اور واپس اپنی جگہ پر آ کھڑا ہوا اب وہ نا چاہتے ہوئے بھی اپنی توجہ اسید درانی پر فوکس کرتا انہیں سن رہا تھا اور جیسے جیسے وہ ان کے الفاظ سنتا جا رہا تھا ویسے ویسے اس کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔اسے لگا جیسے وہ سب باتیں اسی کو سنا رہے ہوں۔وہ وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے اور وہ بے بس سا وہاں کھڑا تھا۔

کب لیکچر ختم ہوا کب سوالات کا سلسلہ شروع ہوا وہ نہیں جانتا تھا۔وہ تو بس اسید درانی کے چہرے پر فوکس کیے ہوئے تھا۔

کسی چہرے میں اتنی ملاحت بھی ہوسکتی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ''کوئی آواز اتنا بھی اٹریکٹ کرسکتی ہے۔'' وہ حیران تھا۔ کوئی بغیر کسی ناگواری، غصے اور اکتاہٹ کے اتنے زیادہ سوالوں کے جواب اپنی ملیح مسکراہٹ کے ساتھ بھی دے سکتا ہے۔ وہ ایمپریسڈ تھا۔

سوالات کا سلسلہ بھی ختم ہوا اور اب لڑکے آپس میں لیکچر کو ڈسکس کرتے باہر کی طرف جا رہے تھے۔ اس نے سر کھجا کر انگلی سے کنپٹی بجائی اور باہر جانے کو مڑا۔

''رکو۔'' شاید اسے ہی روکا گیا تھا۔ وہ آواز پر رکا لیکن پلٹا نہیں، روکنے والا خود ہی سامنے آیا۔

''سر اسید نے یہ کارڈ تمہیں دینے کو کہا ہے۔'' لڑکے نے ہاتھ میں پکڑا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

''مجھے۔'' اس نے شہادت کی انگلی سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا، حیرت بجا تھی۔

''ہاں تم سے ہی گلاس ٹوٹا تھا ناں؟''

''ہاں۔'' اس نے میکانکی انداز میں سر ہلایا۔

''تو پھر تمہارے لیے ہی ہے۔'' لڑکے نے پکی شناخت کے بعد کارڈ اس کے ہاتھ میں تھمایا اور خود باہر نکل گیا۔

اس نے کارڈ آنکھوں کے سامنے کیا جس پر اسید درانی کا نام، ایڈریس اور دو فون نمبرز درج تھے۔ کارڈ پڑھ کر اس نے اپنی ہتھیلی پر رگڑا اور جینز کی جیب میں اڑس کر باہر نکل گیا۔ وہ پیچھے مڑ کر ہرگز دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

✿......✿......✿

انہیں پاکستان آئے دو دن ہو چکے تھے لیکن اس کا سامنا ابھی تک اطیب لغاری سے نہیں ہوسکا تھا۔ ممی کو تائی ماں نے بتایا تھا کہ وہ کسی کام کے سلسلے میں دوستوں کے ساتھ اسلام آباد گیا تھا۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کے بیٹے کا کوئی دوست نہیں لیکن مصلحتاً انہیں جھوٹ بولنا پڑا جس پر مکرم لغاری سے وہ اچھی خاصی سن چکی تھیں۔

''تمہارے بیٹے کا فون بھی بند جا رہا ہے کب تک منہ چھپا کر بیٹھے گا آنا تو اسے یہیں ہے ناں۔'' انہوں نے بیوی کو دیکھتے ہوئے طنزیہ کہا۔

''وہ کیوں منہ چھپائے گا بھلا۔ کام ہے اسی لیے گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں میرا بیٹا جھوٹ نہیں بولتا۔'' وہ جتا

کر بولی تھیں۔

''ہاں تمہارا بیٹا جھوٹ نہیں بولتا لیکن ماں، باپ سے جھوٹ ضرور بلوا لیتا ہے۔'' وہ استہزائیہ ہنسے۔

''یہ کیا ہر وقت تمہارا بیٹا، تمہارا بیٹا کی گردن جاری رکھتے ہیں مکرم صاحب۔ وہ آپ کا بھی بیٹا ہے۔'' نگین دانت پیس کر دبی آواز میں چلائیں۔

''واٹ ایور۔'' انہوں نے سر جھٹکا۔'' وہ جہاں بھی ہے جس کام سے بھی گیا ہے اسے کہو فوراً نپٹا کر واپس آئے اور خبردار اگر تم نے اس کی فیور میں مزید کسی سے کوئی جھوٹ بولا۔'' انگلی اٹھا کر وارننگ دیتے وہ کمرے سے نکل گئے۔

''ہونہہ۔ میرے بچے کے دشمن۔'' وہ شوہر کے انداز پر سیخ پا ہوتیں الماری کی طرف بڑھ گئیں۔

⁂......⁂......⁂

دائنہ اس وقتی تغافل پر شکر بھی کر رہی تھی اور اندر ہی اندر آنے والے وقت پر پریشان بھی تھی۔ وہ کمرے میں موجود صوفے پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی جب کمرے کا دروازہ ناک کرنے کے بعد کھول کر عمارہ بھابھی اندر آئیں۔ وہ مکرم لغاری کے بڑے بیٹے اذلان لغاری کی وائف تھیں۔

''ارے دائنہ، تم ابھی تک یونہی بیٹھی ہو اور نیچے لڑکیاں تمہارے انتظار میں بمشکل اپنے سروں کو دبائے بیٹھی ہیں۔''

ان کی بات پر دائنہ گھٹنوں سے سر اٹھاتی مسکرا دی۔

''آپ نے کیوں روک رکھا ہے بھابھی خدانخواستہ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو۔'' اس کے آنکھوں کو گھما کر شریر انداز میں کہنے پر عمارہ قہقہہ لگاتی اس کی طرف بڑھی۔

''اٹھ جاؤ بدتمیز لڑکی! میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ اگر واقعی میں کسی کو کچھ ہو گیا تو تمہاری شادی تو ملتوی ہو جائے گی اور پھر مزید دو، چار اپنی شاپنگ ضائع ہونے کے صدمے سے ہی لڑھک جائیں گی۔''

''ہاہاہا......'' دائنہ پیٹ پر ہاتھ رکھے دوہری ہوئی۔

''اچھا بس چلو۔ جلدی سے چینج کرو اور آ جاؤ نیچے ہم سب ویٹ کر رہی ہیں۔'' ہنسنے کے باعث اس نے

گالوں پر آئے آنسو پونچھے اور دائنہ کو واش روم میں دھکیل کر کمرے سے نکل گئی۔

اسے اسید درانی کا لیکچر لیے دو ماہ سے اوپر ہو گیا تھا۔ ان کا وزیٹنگ کارڈ اس کے بیڈ سائیڈ دراز میں محفوظ تھا جسے ہر رات سونے سے پہلے وہ ضرور دیکھتا تھا۔ اب تو اس پر لکھے الفاظ اور نمبر زا سے ازبر ہو چکے تھے وہ چاہنے کے باوجود ان نمبرز کو ملا کر ان سے بات کرنے کی ہمت نہیں کر پایا تھا۔ دل میں ایک تجسس بھی تھا کہ اسید درانی نے اتنے ہجوم میں اسے ہی کارڈ کیوں بھیجا۔ وہ کیا چاہتے ہیں آخر اور میں...... میں کیوں ہر روز ان کے بارے میں سوچتا ہوں۔ وہ اپنی حالت پر خود بھی اکتا چکا تھا۔

مزید ایک ماہ بعد وہ لاہور آیا تھا ماں سے ملنے تب اچانک ہی اسے اسید درانی سے ملنے کی خواہش ہوئی تھی اور وہ واپس جانے سے پہلے ان کے دیے گئے ایڈریس پر چلا آیا تھا۔

جمعہ اور اتوار کے دنوں میں وہ اپنے گھر پر ہی محفل کا اہتمام کرتے تھے اور آج اتوار ہی تھا۔ وہ پہنچا تو وہاں بھی ہر عمر کے مردوں کا ہجوم تھا۔ وہ خاموشی سے آ کر پچھلی لائن میں بیٹھ گیا۔ اسید درانی بیان شروع کر چکے تھے اور ان کا ٹاپک ''اسلام میں صبر و شکر کی اہمیت'' پر مبنی تھا۔ اس نے دونوں گھٹنوں کو جوڑ کر ان میں سر دبایا اور سماعت ان کی آواز پر لگا دی جو کہہ رہے تھے کہ

''بے کسی، مجبوری اور لاچاری کی حالت میں کچھ نہ کر سکنا اور رو دھو کر کسی تکلیف و مصیبت کو برداشت کر لینا ہرگز صبر نہیں ہے۔''

''میں نے بھی تو ایسا ہی صبر کیا تھا اور اسی پر خود کو بہت صابر کنسیڈر کرتا رہا ہوں۔'' اس نے سوچا اور پھر فوراً سر جھٹک کر توجہ پھر سے آواز پر مرکوز کی جو مزید بتا رہے تھے کہ

''صبر کا تانا بانا استقلال اور ثابت قدمی سے قائم ہے۔ اس وصف کو قائم رکھنا ہی صبر ہے۔ ہم مسلمانوں کی پوری زندگی صبر و شکر سے عبارت ہے۔ غور کیا جائے تو دین اسلام کی ہر بات صبر و شکر کے دائرے میں آ جاتی ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صبر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

آیتِ کریمہ کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ:

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبار دیا جائے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی کے ذریعے دفع کرتے ہیں اور اس عطا میں سے جو ہم نے انہیں بخشی خرچ کرتے ہیں۔'' (القصص)

اسی طرح دیگر نیک اعمال کے مقابلہ میں صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائے گا جیسا کہ سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

ترجمہ: (محبوب میری طرف سے) فرما دیجئے: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے جو اس دنیا میں صاحبانِ احسان ہوئے، بہترین صلہ ہے، اور اللہ کی سرزمین کشادہ ہے، بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گا۔''

جس طرح ہر مصیبت پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے بالکل اسی طرح ہر خوشی میں اس پاک ذات کا شکر ادا کرنے کا بھی حکم ہوا ہے۔ کیونکہ شکر اخلاق، اعمال اور عبادات کا بنیادی جزو ہے اور جذبہ شکر کے بغیر ہمارے تمام اعمال و عبادات بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

''کیا میں نے کبھی شکر کیا ہے؟'' وہ پھر خود سے مخاطب تھا۔ جواب 'نہیں' میں پا کر وہ شرمندہ شرمندہ سا پھر متوجہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں شکر کی فضیلت کچھ ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

ترجمہ: ''اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے آؤ، اور اللہ (ہر حق کا) قدر شناس ہے (ہر عمل کا) خوب جاننے والا ہے'' (النساء)

چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ شکر کو ملا کر ذکر کیا ہے اور ان دونوں کو رفع عذاب کا باعث قرار دیا۔'' وہ بہت پر تاثیر لہجے میں بول رہے تھے کہ انسان کھو جائے۔

سورۃ البقرہ میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو''۔ (البقرۃ)

گویا پتہ چلا کہ صبر وشکر دونوں لازم وملزوم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ملا دیا ہے۔
آخر میں حضرت مغیرہ بن عامر کی روایت سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''صبر نصف ایمان ہے اور شکر نصف ایمان اور یقین کامل ایمان ہے۔''یعنی یقین دونوں کی اصل ہے اور یہ دونوں اس کے پھل ہیں۔ بیان ختم کر کے انہوں نے اختتامیہ دعا پڑھی اور عصر کی نماز کے لیے اٹھ گئے۔

٭......٭......٭

وہ تین دن بعد واپس آیا تو ماں سے ملنے والی خبر کہ چچا کی فیملی کچھ دن کے لیے اسلام آباد چلی گئی ہے سن کر اس کے تنے اعصاب ایکدم سے پرسکون ہوئے تھے۔اس کے چہرے پر پھیلا تا سکون مکرم لغاری نے بہت تیکھی نظروں سے دیکھا تھا۔وہ کمرے میں جانے کو اٹھا تھا جب ان کی کڑک دار آواز گونجی۔
''جا کہاں رہے ہو تم۔بیٹھو مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔''
وہ ہمیشہ کی طرح بیبا بچہ بن کر سر ہلاتا واپس بیٹھ گیا۔
''تمہاری شادی میں اتنے کم دن رہ گئے ہیں اور تمہاری آوارہ گردیاں ہی ختم نہیں ہو رہی ہیں۔''
لفظ آوارہ گردیاں پر قریب بیٹھی نگین کو سخت اختلاف ہوا تھا پر خاموش رہیں کہ بول کر شوہر کی توپوں کا رخ اپنی طرف کرنے کی ہمت نہیں تھی۔
''ضروری کام تھا۔''وہ آہستگی سے بولا۔
''فی الوقت اپنے ان ضروری کاموں سے اجتناب برتو اور شادی کی پریپریشن پر فوکس کرو۔''
''جی۔''
''تمہاری ماں اور بھابھی کی رائے ہے کہ مہندی کا فنکشن لان میں کیا جائے۔''
''جی۔''
''کیا جی؟''
''جیسے آپ سب کی مرضی۔''وہ گڑبڑایا۔
''تمہاری شادی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی ساری مرضیاں اور ارمان پورے کرو۔''ان کے

استہزائیہ انداز پر وہ ہرٹ ہوا لیکن پھر جی میں سر ہلا دیا۔مکرم لغاری اس کی اتنی فرمانبرداری پر اکثر چڑ جاتے تھے جیسا کہ اب وہ چڑ کر بولے تھے۔

''مثلاً کیا کرو گے تم؟''

''بابا! آپ مجھے بتا دیں کیا کرنا ہے میں کر لوں گا۔''

بیٹے کے اتنے مؤدب انداز پر نگین نے دل ہی دل میں اس کی بلائیں لے ڈالیں۔

''مہندی کے فنکشن کی ساری ارینجمنٹ لان میں تم ہی کرواؤ گے۔''

''جی۔''

''آفس میں کل ہی لیو دو۔''

''اتنے دن پہلے سے۔'' وہ بس سوچ سکا۔

''ہم سب کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ مہندی کے ساتھ ہی تم لوگوں کا نکاح کر دیا جائے اور اگلے دن ریسیپشن کا فنکشن کر لیا جائے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اذلان نے کارڈ پرنٹنگ کا آڈر دے دیا تھا کل تک کارڈ آ جائیں گے جس جس کو بلانا چاہو بلا سکتے ہو''۔

''جی۔''

''اب تم جاؤ۔''

''جی۔'' وہ سر ہلا کر کھڑا ہوا لیکن آگے نہیں بڑھا۔اس کے رکنے کو محسوس کر کے مکرم لغاری نے اخبار سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

''اینی پرابلم؟''

''بابا! وہ......ایکچولی میں چاہ رہا تھا کہ نکاح سر اسید درانی پڑھائیں۔'' وہ نظریں نیچے کیے بہت آہستہ آواز میں بولا تھا۔اس کی بات پر وہ ہنس دیئے

''مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن نکاح دائنہ اکرام سے ہی ہو گا۔'' اس کی بات کو انجوائے کر کے انہوں نے طنز کا

تیر پھینکا اور اخبار پھر سے آنکھوں کے سامنے کر لی۔ وہ ایک سرسری نظر ان پر ڈال کر سیڑھیاں پھلانگ گیا۔

......

''بہت وقت لگا دیا آنے میں آپ نے بیٹا۔'' اسید درانی نماز سے فارغ ہو کر اس کی طرف آئے جو ابھی بھی اسی جگہ گھٹنوں پر سر گرائے بیٹھا تھا۔ ان کی آواز پر اس نے آستین سے آنکھیں رگڑ کر سر اٹھایا۔

''آئی ایم سوری مجھے بہت پہلے یہاں آ جانا چاہیے تھا۔'' اس کی آواز رونے کی وجہ سے بھاری ہو چکی تھی۔

''اٹس او کے مائی سن۔'' انہوں نے مسکرا کر اس کا کندھا تھپکا۔ ''تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے حقیقتاً بہت خوشی ہوئی ہے۔'' ان کے اتنے پیار سے کہنے پر وہ ہلکے سے ہنس دیا۔

''کیا آپ میرا انتظار کرتے تھے؟'' بھوری آنکھوں میں اشتیاق تھا۔

''ہاں۔'' ان کی ہاں پر اشتیاق حیرانگی میں تبدیل ہوا۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیوں لیکن خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

''نام پوچھ سکتا ہوں؟'' اس کی آنکھوں میں امڈتے سوال کو نظر انداز کر کے انہوں نے پوچھا۔ اس نے زور سے سر آگے پیچھے کیا۔

''اطیب۔ اطیب لغاری۔'' وہ جلدی سے بولا۔

وہ مسکرائے۔ ''مطلب جانتے ہو؟''

''جی۔''

''اپنے نام کے مطلب کی طرح ہی نیک ہو۔''

اس نے اچھنبے سے انہیں دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔ ''میں...... میں ایسا نہیں ہوں جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔'' اس کی ہچکچاہٹ پر وہ پھر سے مسکرائے۔

''اچھا چھوڑو اس بات کو یہ بتاؤ کہ اس دن تم نے گلاس کیوں توڑا تھا۔''

''واٹ۔'' انہیں کیسے پتا چلا وہ شاکڈ سا سر جھکا گیا۔

''نن...... نہیں توڑا نہیں گر گیا تھا۔''

’’تم اتنے چھوٹے نہیں ہو کہ مجھے تمہیں بتانا پڑے کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے۔‘‘

’’آئی......آئی ایم سوری سر وہ......وہ پتہ نہیں کیوں مجھ سے ایسا ہو گیا۔‘‘

’’اٹس اوکے۔‘‘اس کے شرمندہ تاثرات پر انہوں نے اس کا کندھا ہلایا۔’’انسان خطا کا پتلا ہے اگر غلطی ہو بھی جائے تو سچے دل سے مانگی گئی معافی کبھی رد نہیں ہوتی۔‘‘

’’سر میں جاؤں؟‘‘ان کی بات کے جواب میں وہ جلدی سے بولا۔

اسید درانی کو اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آئے تھے۔انہوں نے اسے روکنا مناسب نہیں سمجھا اور اثبات میں سر ہلا کر جانے کی اجازت دی۔وہ جانتے تھے وہ دوبارہ ضرور آئے گا۔اجازت ملتے ہی وہ تیزی سے اٹھ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

✡......✡......✡

وہ بیڈ کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے بیٹھی تھی جب اس پر آفت نازل ہوئی۔

’’دائنہ!دانی اٹھو جلدی جلدی کرو۔‘‘علینہ نے سر سے پیر تک اچھا خاصا اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

’’کیا......کیا ہوا علینہ۔‘‘وہ گھبرا کر سیدھی ہوئی۔

’’اطیب......اطیب بھائی۔‘‘علینہ کی چیخ پر اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر ڈرتے ہوئے دروازے کی جانب دیکھا۔

’’کک......کہاں؟‘‘

’’اوہ ایڈیٹ۔‘‘اس کے اڑے حواس پر علینہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

’’چیخ چلا رہی ہو تم۔ایڈیٹ بھی ہو گی تم۔‘‘وہ غصے سے پھنکار کر واپس بیڈ پر بیٹھی۔

’’بیٹھ کیوں رہی ہو۔چلو ایک نظر نکاح سے پہلے اطیب بھائی کو دیکھ تو لو اسٹوپڈ گرل، میں پہلے ہی تمہاری سستی پر مشتعل ہوں مجھے مزید غصہ مت دلاؤ۔‘‘وہ واقعی چڑی ہوئی تھی جب سے دائنہ کی زبانی یہ سنا تھا کہ ابھی تک وہ اطیب سے نہیں ملی۔

’’میں تو سوچ رہی تھی اب تک تم دونوں میں اچھی خاصی انڈرسٹینڈنگ ہو گئی ہو گی اور دو چار ڈیٹیں بھی مار

چکے ہو گے مگر نہیں میں بھول گئی تھی کہ تم دونوں تو آدم بے زار بڈھی سڑی ہوئی روحیں ہو۔'' وہ بدمزگی سے بولی۔

''مجھے نہیں دیکھنا کسی کو۔''

''جب ''انہیں'' دیکھ لوگی ناں تو پھر کسی کو دیکھنے کی چاہ بھی نہیں رہے گی۔ قسم سے کیا پرسنیلٹی ہے۔ واؤ!'' وہ بازو پھیلا کر کہتی دھڑام سے بیڈ پر گری۔

''تم نے دیکھ لیا ناں اور دیکھنے کی آگ بھی تمہی کو لگی تھی اب بجھ گئی ہوگی یقیناً۔'' دائنہ طنزیہ کہتی اس کی طرف پلٹی۔

''بس کر دو دانی، حد ہے یار۔''

''تم بس کر دو اور جاؤ مجھے ریسٹ کرنے دو پہلے ہی بیٹھ بیٹھ کر کمرا کڑ گئی ہے۔'' اس نے سوکھی مہندی رگڑتے ہوئے دانت پیس کر کہا۔

''دانی پلیز یار اٹھو جلدی سے۔'' اس نے دائنہ کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ ''ہری اپ اطیب بھائی لان میں فنکشن کے لیے سیٹنگ کروا رہے ہیں۔ تم سامنے مت جاؤ لیکن ٹیرس پر سے ایک نظر دیکھ تو لو۔'' وہ زبردستی گھسیٹتی اسے کمرے سے باہر لے آئی۔

''براؤن شلوار قمیض میں بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں وہ تمہارا بھائی تو ان کے پاسنگ بھی نہیں ہے۔'' اس نے منہ بسورا۔ دائنہ کی گھوری پر وہ کھلکھلا دی۔

''پر مجھے بڑا ''وہ'' لگتا ہے تمہارا بھائی۔'' علینہ کی مصنوعی شرم پر دائنہ نے رکھ کر اس کے کندھے پر مکا جڑا۔

''ظالم۔'' اس نے کندھا مسلا۔

''علینہ۔''

''جی بھابھی۔'' عمارہ کی پکار پر وہ پیچھے پلٹی۔

''میرے ساتھ آؤ ذرا تم۔''

''ابھی آتی ہوں بھابھی بس دو منٹ۔'' وہ دائنہ کا بازو تھام کر جلدی سے ٹیرس کی طرف بڑھ گئی۔

''علینہ! چھوڑو، مجھے نہیں دیکھنا پلیز چھو......ڑ دو۔''

''وہ دیکھو......وہ۔'' علینہ نے مطلوبہ جگہ پہنچ کر انگلی سے نیچے کھڑے شخص کی طرف اشارہ کیا جو سورج کی تپش سے بچنے کو ماتھے پر ایک ہاتھ کا چھجا بنائے اور دوسرے ہاتھ سے سیل کان سے لگائے ادھر ادھر چکر کاٹتا بات کرنے میں مصروف تھا۔ براؤن بال دھوپ میں گولڈن پنچ دیتے کپڑوں کے ہم رنگ معلوم ہو رہے تھے۔

''تم ذرا اپنے دید کی پیاس بجھاؤ میں بھابھی کی بات سن آؤں۔'' وہ ساکت کھڑی دائنہ کو شرارت سے چھیڑتی پلٹ گئی۔

دائنہ کی نگاہیں اسی پر ٹکی تھیں جسکی گندمی رنگت سرخی لیے ہوئی تھی۔ ہاتھ کا چھجا بھی اس کے چہرے کو دھوپ کی تمازت سے بچانے میں ناکام تھا۔ وہ پورے بارہ سال آٹھ ماہ اور دس دن بعد اسے دیکھ رہی تھی۔ آندھی سی چل پڑی تھی دل و دماغ میں۔ اس سے پہلے کہ وہ اوپر کو دیکھتا وہ دل پر ہاتھ رکھتی پلر کی اوٹ میں ہو گئی۔

''بارہ سال آٹھ ماہ دس دن۔'' کچھ بھی تو نہیں بھول پائی تھی وہ۔ ہاں دماغ کی سلیٹ پر سب کچھ دھندلا ضرور گیا تھا لیکن مٹا ہرگز نہیں تھا۔

''تمہیں معلوم ہے جاناں!
کہ تم بھی قاتل ہو
میرے اندر کا ہنستا ہوا انساں
تم نے مار ڈالا ہے''

......

وہ اسی روز لاہور سے واپس آ گیا تھا مگر دل و دماغ وہیں کہیں رہ گیا تھا۔ اس نے ایک ہفتہ جیسے تیسے کر کے گزارا اور اگلے سنڈے پھر سے اسید درانی کے ہاں موجود تھا۔ آج ان کا موضوع ''دعا کی فضیلت'' پر مبنی تھا۔ اس نے پورا بیان سنا اور خاموشی سے وہاں سے نکل آیا اور پھر یہ اس کی روٹین بن گئی۔ وہ ہر سنڈے اسلام آباد سے لاہور آتا، اسید درانی کا بیان سنتا اور واپس چلا جاتا۔ گھر والوں سے ملنے کی روٹین وہی پرانی تھی مہینے دو مہینے بعد۔

اس کی اس روٹین کو دو ماہ گزر چکے تھے اور وہ اسید درانی کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔ انہوں نے کہا تھا

کہ وہ اپنے نام کے مطلب کی طرح نیک ہے اور اگر انہیں میری اصلیت پتا چل گئی تو وہ بھی سب کی طرح مجھ سے نفرت کریں گے اور میں نہیں چاہتا کہ جس شخص سے اتنے لوگ محبت کرتے ہوں وہ مجھ سے ''اطیب لغاری'' سے نفرت کریں،۔وہ خود میں مزید نفرتیں سہنے کی ہمت مفقود پاتا تھا۔

آج جب وہ ہال میں داخل ہوا تھا تو لیٹ تھا۔اسید درانی اپنا بیان شروع کر چکے تھے ان کا آج کا موضوع ''توبہ'' تھا۔وہ خاموشی سے خالی جگہ تلاش کر کے بیٹھ گیا۔

وہ توبہ کی شرائط پر روشنی ڈال رہے تھے۔

علماء کرام نے فرمایا کہ''توبہ ہر ایک گناہ سے ضروری ہے،''پس اگر معصیت (نافرمانی) تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہو اور کسی آدمی کا حق اس کے ساتھ وابستہ نہ ہو،تو پھر اس کی تین شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ معصیت (نافرمانی) سے باز آجائے۔

دوسرا یہ کہ اپنے کیے ہوئے پر نادم ہو۔

اور تیسرا اس بات کا پختہ ارادہ کرے کہ پھر کبھی اس قسم کی معصیت (نافرمانی) میں مبتلا نہ ہوں گا۔

لٰہذا ان تینوں شرائط میں سے اگر ایک بھی نہ پائی جائے تو توبہ درست نہ ہو گی اور اگر معصیت کسی انسان کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر علماء نے چار شرطیں بیان فرمائی ہیں۔مندرجہ بالا تینوں شرائط جو میں نے ابھی آپ کو بتائیں اور چوتھی شرط اس کے علاوہ یہ کہ''اس شخص کے حق سے اپنی برہت (نجات) ظاہر کرے''مثلاً اگر اس کا مال لیا ہے یا اور کوئی اسی قسم کی چیز ہے تو اس کو واپس کر دے اور اگر کسی قسم کی تہمت وغیرہ لگائی ہے تو اس کو بھی اجازت دے یا معاف کرائے اور اگر غیبت ہو تو غیبت کو اس سے درگزر کرائے اور تمام گناہوں سے توبہ واجب ہے۔''

وہ گھٹنوں میں سر دیئے دم سادھے سن رہا تھا۔اسے ہر بار یہی لگتا تھا جیسے وہ یہ سب اسی کو سنانے اور سمجھانے کے لیے کہہ رہے ہوں۔ان کی آواز کا فسوں پھیلا ہوا تھا اور وہ پھر اسی فسوں میں ڈوب گیا جو کہہ رہے تھے کہ

''توبہ کے فرض ہونے پر کتاب اور احادیث رسول کے دلائل شاہد ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: یعنی ”اے مسلمانو! اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ فلاح و کامیابی حاصل کرو“ (سورۃ النور)

ایک اور مقام پر سورۃ الھود میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: تم اپنے رب سے اپنے گناہ معاف کراؤ اور توبہ کرو۔“

آیت مکمل کر کے وہ چند سیکنڈ کے لیے خاموش ہوئے، پانی سے گلا تر کیا اور پھر سے شروع کیا۔

”اب آتے ہیں توبہ کی فضیلت پر، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ”جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ان فرشتوں کو بھلا دیتے ہیں جنہوں نے وہ گناہ لکھنے ہوتے ہیں اور اس کے ہاتھ پاؤں کو بھلا دیتے ہیں جن سے گناہ کیے تھے اور اس جگہ کو بھی بھلا دیتے ہیں جہاں وہ گناہ سرزد ہوئے تھے تاکہ جب وہ شخص احکم الحاکمین کے سامنے حاضر ہو تو اس کے گناہ کا کوئی گواہ نہ نکلے۔“

پورے ہال میں ”سبحان اللہ“ کی آواز گونجی تھی۔ اس کے آنسو اس کا گریبان بھگوتے جا رہے تھے۔

”ایک اور حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوا، ”اللہ تعالیٰ اپنا دست کرم اس شخص کے لیے پھیلائے ہوئے ہیں جس نے دن کو گناہ کیا ہوتا کہ وہ رات کو توبہ کرے اور میں قبول کرلوں اور اس شخص کے واسطے جس نے رات کو گناہ کیا ہوتا کہ وہ دن کو توبہ کرے اور میں قبول کروں۔ یہ دست شفقت اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔“

”سبحان اللہ۔“

اس کی ہچکی بندھ چکی تھی۔ ساتھ بیٹھے لوگوں نے اس انیس، بیس سالہ لڑکے کو حیرت و حسرت سے دیکھا جو شاید کوئی گناہ کر بیٹھا تھا اور اب اس پر پچھتا رہا تھا جبکہ اسید درانی مزید کہہ رہے تھے۔

”حضور صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، ”جو شخص گناہ سے توبہ کرتا ہے وہ ایسا ہے جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں“ مزید فرمایا کہ ”گناہ سے توبہ کا معنی یہ ہے کہ پھر اس گناہ کے قریب بھی نہ جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب سرورِ کائنات صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ جس بندے کو گناہ پر نادم جانتا ہے اسے بخشش مانگنے سے پہلے بخش دیتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ کو اپنے گناہ گار بندے کی توبہ پر خوشی ہوتی ہے۔

''سبحان اللہ۔'' کی صدا میں اس بار اس کی بھی آواز شامل تھی۔

وہ واقعی پچھتا رہا تھا اس وقت پر جو گزر گیا تھا جسے اس نے ضائع کر دیا تھا۔ کیا وہ اتنا بڑا گنہگار تھا جسے معافی نہ ملتی؟

''نہیں۔'' اس کے اندر سے کوئی بولا تھا۔

''تو پھر کیوں میں نے توبہ نہیں مانگی؟ کیوں......ں......؟'' آنسوؤں کا سیل رواں جاری تھا۔

''جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ زندگی کا ہر سانس قیمتی موتی ہے اسی بارے میں حضرت سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ ''انسان اگر کسی چیز پر نہ روئے اور فقط اسی زمانے کا ماتم کرتا رہے جو اس نے ضائع کیا کہ مرتے دم تک یہی رنج کافی ہے اس کے لیے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو گزرے دور کی طرح آئندہ وقت کو بھی ضائع کر رہا ہے۔''

اس کے رونگٹے کھڑے ہو چکے تھے۔

''اللہ تعالیٰ نے کتنی صحیح بات فرمائی ہے:

ترجمہ: اور خرچ کر لو اس رزق سے جو ہم نے تمہیں دیا، اس سے قبل کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آ جائے پھر وہ کہے کہ اے میرے رب! مجھے تھوڑی دیر کی مہلت دے دے۔ (سورۃ المنافقون)

رہ گئے گناہ تو انہیں ابتدائے بلوغت سے دیکھنا چاہیے کہ آنکھ، کان، ہاتھ، زبان، معدہ وغیرہ سے کیا کیا گناہ کیے ہیں، اگر کبیرہ گناہ ہیں جیسے زنا، لواطت (ہم جنس پرستی) چوری، شراب نوشی اور دوسرے گناہ جن پر شرعی حد واجب ہے تو ان سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ حاکم کے سامنے جا کر اقرار کرنا ضروری نہیں کہ وہ حد جاری کرے بلکہ گناہوں کو پوشیدہ رکھے، توبہ اور کثرت عبادت سے ان کی تلافی کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔'' (سورۃ الھود)

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے گناہوں پر توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔''

آخر میں اختتامیہ کلمات پڑھ کر انہوں نے محفل برخاست کی اور اٹھ کر اس کی طرف چلے آئے جواب بھی سر

جھکائے رو رہا تھا، جسم پر لرزش سی طاری تھی۔ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ اطیب لغاری نے آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا اور خاموشی سے گلاس پکڑ کر غٹا غٹ خالی کر دیا۔

''بیٹا پانی ہمیشہ تین سانسوں میں پینا چاہیے۔'' وہ نرم لہجے میں بولے۔

''سوری سر۔'' اس کے شرافت سے سوری کرنے پر وہ مسکرا دیئے۔

''مجھے تمہاری یہی بات پسند آئی ہے اطیب کہ تم فوراً اپنی غلطی مان کر معافی مانگ لیتے ہو۔''

ان کی بات پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''معافی ہی تو نہیں مانگی میں نے۔'' وہ بھاری آواز میں بولا۔

''تو اب مانگ لو۔ ابھی بھی وقت تمہاری مٹھی میں ہے ہاں لیکن کل کیا ہو کوئی نہیں جانتا۔'' انہوں نے لمبی سی سانس کھینچی اور اٹھ گئے۔ ''آج تم میرے ساتھ کھانا کھا کر جاؤ گے اطیب۔''

ان کے کھڑے ہونے پر وہ بھی سر جھکائے کھڑا ہوا۔

''نہیں سر، میں لیٹ ہو جاؤں گا مجھے واپس اسلام آباد جانا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' ان کے اتنے آسانی سے مان جانے پر وہ بے دل ہوا۔

''اگر آپ اصرار کر کے روکیں گے تو رک جاؤں گا۔'' وہ پاؤں کے انگوٹھے سے فرش کو رگڑتا مدھم آواز میں بولا۔ اس کی معصومیت پر اسید درانی کے سمٹے لب پھر سے وا ہوئے۔

''آج تم میرے پاس ہی رکو گے اطیب۔'' ان کے بارعب انداز پر وہ مسکراتا ہوا ان کی طرف جھک گیا۔

اسید درانی نے اسے کندھوں سے تھام کر سینے سے لگایا اور اس کے گرد بازوؤں کا حصار باندھ دیا۔

تپتی دھوپ سے چھاؤں میں آنا کسے کہتے ہیں کوئی اطیب لغاری سے پوچھتا جو اس وقت سر ان کے سینے سے ٹکائے آنسو بہا رہا تھا۔

یقیناً میرا رب جسے چاہے ہدایت دے!

لان سمیت پورا لغاری پیلس جگمگاتی روشنیوں سے سجا خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔لان میں خوب رونق لگی ہوئی نظر آ رہی تھی جہاں ویٹرز مسکراتے ہوئے مہمانوں کو مختلف مشروبات پیش کر رہے تھے۔عورتیں عورتوں کے ساتھ، مرد مردوں کے ساتھ جبکہ بچے اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ ہنستے مسکراتے گپ شپ لگاتے بھرپور انجوائے کر رہے تھے۔ بیک راؤنڈ میں ہلکے سروں میں بجتا اسٹریو اس محفل کی رونق میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

پیلے رنگ کے جوڑے میں ملبوس وہ سر جھکائے اپنے آنسوؤں پر بند باندھے بیٹھی تھی جب علینہ، عمارہ بھابھی اور اس کی دونوں نندیں کمرے میں داخل ہوئیں۔ پیچھے ہی سبز رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تانیہ بھی تھیں۔ماں کو دیکھ کر وہ ضبط کھوتی ان کے سینے سے لگتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔وہ اس کی پیٹھ سہلاتی دھیمی آواز میں اسے تسلی دیتی خاموش کروا رہی تھیں۔اسے چپ نہ ہوتے دیکھ کر علینہ انگلی کے پوروں سے اپنے آنسو صاف کرتی آگے بڑھی۔

''بس کر دو دانی! ابھی تو نکاح بھی نہیں ہوا اور تم سارے آنسو یہیں بہا دو گی تو نکاح کے وقت کوئی آنسو نہیں نکلے گا اور سب میں سبکی ہوگی۔سب کہیں گے کہ دیکھو لڑکی کو شادی کا کتنا شوق تھا کہ بنا روئے ہی فوراً نکاح نامے پر سائن کر دیئے۔''اس کے مزاحیہ انداز پر وہ سب اپنے اپنے آنسو پونچھتیں مسکرا دیں۔

''یہ بات تو ٹھیک ہے ویسے۔''اسماء (نند) فوراً ہنستے ہوئے بولی۔''میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا اور قسم سے تب مجھے اتنی شرمندگی ہوئی تھی جب میرے چاہنے کے باوجود کوئی آنسو نہیں نکل پا رہا تھا۔اف۔''اس کی دہائی پر دائنہ نے مسکرا کر آنسو پونچھے۔

''اور پھر جو ریکارڈ بعد میں سب نے اسماء کا لگایا تھا اللہ توبہ۔''امینا (دوسری نند) نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''اور میں نے اسی سے عبرت پکڑی اور اپنی شادی پر گلیسرین منگوالی تھی کہ خدانخواستہ اگر میرے بھی آنسو نہ نکلے تو......''

اس کی ''تو'' پر ہی سب کے بھرپور قہقہے پھوٹ نکلے تھے۔تانیہ نے آنسو پونچھ کر ہنسی دباتے ہوئے انہیں مزید جگتوں سے روکا اور باہر آنے کا کہہ کر خود باہر نکل گئیں۔وہ چاروں بھی شرافت کے جامے میں آتیں دائنہ پر دوپٹہ تان کر اسے لیے لان کی جانب چل دیں۔

دائنہ کی گھبراہٹ عروج پر تھی۔ وہ بار بار ہتھیلیوں میں پھوٹتا پسینہ دوپٹے سے رگڑ کر صاف کر رہی تھی۔ دل کی دھک دھک نے الگ طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا تھا اور رہی سہی کسر اسٹریو پر بجتے گانے نے پوری کر دی۔

دھیرے دھیرے ہوا دل یہ جواں
دھیرے دھیرے جاگے نئے ارماں
دھیرے دھیرے ہے ناں ناں ناں بھی
ہو گئی دیکھو ہاں ہاں ہاں......ں......ں

اس نے منہ پر گرایا نیٹ کا پلو کھینچ کر مزید نیچے کیا۔

دھیرے دھیرے گئی دنیا بدل
دھیرے دھیرے بدلا ہر پل
دھیرے دھیرے ہے ناں ناں ناں بھی
ہو گئی دیکھو ہاں ہاں ہاں......ں......ں

وہ لان کی روش پر قدم رکھ چکی تھیں۔ وہاں کی چکا چوند روشنیوں میں سب کی نظریں دوپٹے کے نیچے چھپے وجود پر تھیں۔ دائنہ نے اتنی نظروں پر گھبرا کر آنکھوں کے ساتھ سر بھی جھکا دیا۔ دائیں جانب سے اذلان لغاری چھوٹے بھائی کا بازو دبوچے انہیں کی طرف آ رہا تھا۔ وہ ابھی سر اسید درانی کو لے کر پہنچا تھا جب اذلان اس کی ناں، ناں کے باوجود اسے گھسیٹ لایا تھا۔ سب کے چہروں پر اذلان کی حرکت پر مسکراہٹ اور شاباشی تھی جب کہ اطیب کے چہرے کے ایکسپریشنز پر مکرم لغاری بھی محظوظ ہو کر مسکرا دیئے۔

دھیرے دھیرے ہوا دل یہ جواں
دھیرے دھیرے جاگے نئے ارماں
دھیرے دھیرے گئی دنیا بدل
دھیرے دھیرے بدلا ہر پل

گلوکار سب سے بے خبر اپنا گلا پھاڑ رہا تھا۔

ازلان نے اسے تقریباً دھکا دے کر دائنہ کے ساتھ دوپٹے کے نیچے کیا۔

Dior Sauvage

کی خوبصورت مردانہ پرفیوم نے دائنہ اکرام کے گرد حصار باندھ لیا تھا۔

''خبردار اگر یہاں سے ہلنے کی کوشش بھی کی تو۔''

''آپ فکر ہی مت کریں ازلان بھائی۔''اس کی دھمکی پر علینہ مسکرائی۔

''یہ دونوں اب ہم چاروں کی حدود میں ہماری رسپونسیبلیٹی ہیں۔''اس نے ہاتھ سے چاروں کونوں پر کھڑیں عمارہ، اسماء اور امینا کی طرف اشارہ کیا۔

دائنہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں غائب ہو جائے۔ وہ پرے کھسک کر مزید خود میں سمٹ گئی۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ علینہ کے ساتھ ساتھ گانا گانے اور لگانے والے کو بھی شوٹ کر دے۔

نئے نئے دن ہیں نئی راتیں

نئے نئے قصے نئی باتیں

نئی نئی پہچان ہے سب سے

نئی نئی ساری ملاقاتیں

گانے کے بول اب اطیب کے کانوں سے ٹکرائے تھے مگر وہ کوئی بھی تاثر دیئے بنا خاموشی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ دائنہ کے وجود سے اٹھتی مہندی اور پھولوں کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرا کر اسے بے طرح ڈسٹرب کر چکی تھی۔

دھیرے دھیرے گئی دنیا بدل

دھیرے دھیرے بدلا ہر پل

دھیرے دھیرے ہے ناں ناں ناں بھی

ہو گئی دیکھو ہاں ہاں ہاں......ں......ں

خدا خدا کر کے سفر تمام ہوا اور اسٹیج کے قریب آتے ہی وہ دوپٹے کے نیچے سے نکل کر اندر کی طرف بڑھ

گیا۔ اپنے پیچھے اسے بہت سی آوازیں سنائی دی تھیں جو اسے اسٹیج پر دائنہ کے ساتھ بیٹھنے کو پکار رہے تھے مگر جواب تک ہو چکا تھا وہ اس کے لیے کافی تھا اس لیے ان سنی کرتا ڈرائنگ روم میں سر اسید درانی کے پاس چلا گیا۔

دائنہ کو صوفے پر بٹھا کر مہندی کی رسم شروع کر دی گئی۔ سب خواتین باری باری آ کر اسے مہندی لگانے کے ساتھ میٹھا بھی کھلاتی جا رہی تھیں۔ ایک، آدھ گھنٹے بعد رسم ختم ہوئی تو نکاح کا شور اٹھا۔

مکرم لغاری اسید درانی کو ساتھ لیے اسٹیج پر آئے۔ اطیب ان کے پیچھے تھا۔ وہ قریب آیا تو اسماء نے بھائی کو با قاعدہ پکڑ کر دائنہ کے ساتھ صوفے پر بٹھا دیا۔ دائنہ اس کے بیٹھنے پر سانس روک چکی تھی۔ اسید درانی نے کلمات پڑھ کر باری باری دونوں سے رضامندی لی اور نکاح نامے پر ان کے دستخط لیے جس کے ساتھ ہی مبارک سلامت کا شور بلند ہوا۔

"بہت بہت مبارک ہو مائی سن۔" اسید درانی ہمیشہ کی طرح نرم مسکراہٹ لیے محبت سے بولے تھے اور اسے خود سے بھینچ لیا تھا۔

"شکریہ سر۔" وہ آہستگی سے مسکرا کر بولا۔ انہوں نے مزید ایک، دو باتیں اس سے کیں اور اسٹیج سے اتر گئے۔ پھر باری باری سب نے اسے گلے لگایا اور مبارکباد دی سوائے مکرم لغاری کے جو کچھ فاصلے پر کان سے فون لگائے خود کو مصروف ظاہر کر رہے تھے۔

وہ آہستگی سے چلتا ان کے قریب آ رکا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے کال بند کی، ہاتھ بڑھا کر اس کا کندھا تھپتھپایا اور "کانگریچولیشنز" کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ اطیب لغاری اپنی جگہ پر ساکت تھا۔ کم از کم آج کے دن اسے باپ سے ایسی امید نہیں تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اسے گلے سے لگائیں مگر اتنے سال بعد آج کے دن بھی اس کی خواہش پوری نہیں ہو سکی تھی۔

"اطیب! واپس آ کر بیٹھو۔ کچھ تصویریں تو بنوا لو دائنہ کے ساتھ۔" عمارہ بھابھی اس کا بازو تھامے واپس اس کی جگہ پر لے آئیں جہاں مسز دائنہ اطیب لغاری سر جھکائے سوں سوں کرتی ہوئی رونے میں مصروف تھی اور ساتھ بیٹھی علینہ اسے ٹشو پکڑانے میں۔

"بس کرو دائنہ! ٹشو ختم ہونے والے ہیں" اس کے بیچارگی سے کہنے پر سب سمیت اطیب لغاری کے ہونٹ

بھی مسکرا اٹھے تھے۔

کھانے سے فراغت کے بعد وہ اسے لیے گیسٹ روم میں چلے آئے۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے چاروں طرف طائرانہ نظر گھمائی۔ دو سنگل بیڈ مناسب فاصلے پر بچھے تھے۔ بائیں جانب کھڑکی تھی جس پر سفید کرٹن تنا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر دو چیئرز تھیں جن کے درمیان چھوٹا سا ٹیبل پڑا تھا۔ غرضیکہ پورا کمرہ سادگی اور نفاست سے سیٹ کیا گیا تھا۔ وہ جائزہ مکمل کر کے بیڈ پر آ بیٹھا۔ دوسرے بیڈ پر اسید درانی کتاب لیے دراز ہو چکے تھے۔

کافی پل خاموشی سے گزر گئے۔ وہ چاہتا تھا کہ سر اسے مخاطب کریں اور پوچھیں لیکن وہ تو بہت انہماک سے مطالعے میں مصروف تھے۔

تھک ہار کر وہ بیڈ پر چت لیٹا چھت کو دیکھنے لگا جب سیلنگ کا ڈیزائن بھی ازبر ہو گیا تو منہ پھیر کر اسید درانی کو دیکھا۔ ایک گھنٹہ گزر گیا تھا اور وہ ابھی بھی کتاب پڑھ رہے تھے دیوار پر ٹنگے کلاک پر دس بج چکے تھے۔ اکتا کر اس نے خود ہی انہیں مخاطب کر لیا۔

''سر۔''

''ہوں۔'' وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''مجھے آپ سے بہت سی باتیں شیئر کرنی ہیں۔ میں پہلے ہی بہت دیر کر چکا ہوں اور آپ کے آج کے لیکچر کو سن کر مجھے لگا کہ اب مزید دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

اس کی بات پر ان کے چہرے پر نرم مسکراہٹ پھیلی۔

''ہاں اطیب! میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم اپنا ہر مسئلہ مجھ سے شیئر کرو۔''

ان کی حوصلہ افزا مسکراہٹ پر وہ اٹھ بیٹھا۔ چند پل انگلیوں کو رگڑ کر اندر کا اضطراب کم کیا اور بولا۔

''سر! آپ نے کہا تھا کہ میں اپنے نام کے مطلب کی طرح نیک ہوں۔''

''ہاں۔'' انہوں نے سر ہلایا۔

''سر میں نہ تو نیک ہوں اور نہ ہی شریف بلکہ میں تو...... میں تو بہت بڑا گنہگار ہوں جو...... جو صرف اور صرف سزا کے قابل ہے معافی کے نہیں...... مجھے...... مجھے میرے گھر والوں نے یہی باور کروایا کہ میں سزا کا حقدار ہوں، معافی کا نہیں۔'' اس کے چہرے پر تکلیف دہ تاثرات دیکھ کر اسید درانی نے کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اس کی طرف سیدھے ہو کر بیٹھے۔

''دیکھو اطیب! ہر رشتہ کہیں نہ کہیں مان توڑ دیتا ہے اور ہر تعلق کہیں نہ کہیں بھرم کھو دیتا ہے۔ یہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے کہ جس کا آسرا سدا ہم پر قائم رہتا ہے۔ اس لیے اگر تم ایسا سوچ کر اب تک توبہ کرنے سے احتراز برتتے رہے ہو تو تم غلط تھے۔ اب مجھے کھل کر بتاؤ، استاد نہیں دوست سمجھ کر بنا کسی خوف اور ہچکچاہٹ کے۔''

اس نے زور زور سے اثبات میں سر ہلایا اور پچھلے تین سال کا ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا اور اب وہ دونوں گھٹنے جوڑے ان پر سر ٹکائے رو رہا تھا۔

''سب نے مجھ سے نفرت کی، کسی اچھوت کی طرح تنہا کر دیا، مجھے معافی کے قابل نہیں جانا، مجھے باور کروایا کہ میں بہت بڑا گنہگار بن چکا ہوں۔ تین ماہ...... پورے تین ماہ تک میں نے اس قید خانے میں آسمان تک کو نہیں دیکھ پایا۔'' اس نے رک کر آستین سے آنکھیں پونچھیں۔ ''کسی نے مجھے یہ نہیں کہا کہ اطیب تم...... تم گناہ کی طرف بڑھے تھے لیکن گناہ کرنے سے بچ گئے ہو اس لیے پلٹ آؤ اور اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کر لو۔ وہ تمہاری ہر خطا کو معاف کر دے گا۔ کسی نے مجھے نہیں کہا سر۔'' اس نے ناک رگڑ کر نفی میں سر ہلایا۔

''اور میں...... میں پچھلے تین سال سے اسی احساس میں جیتا رہا کہ میرے لیے معافی کی گنجائش ہے ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو میں کس منہ سے معافی مانگوں گا اس لیے جو سزا ملی اسے برداشت کرتا ہی خود کو بہت مسکین تصور کرتا رہا ہوں۔''

اسید درانی نے اس کی کہانی سن کر لمبی پرسکون سانس کھینچی۔

''میں تم سے ایک واقعہ شیئر کرتا ہوں اطیب، اس کے بعد تم خود فیصلہ کرنا کہ آیا تم توبہ اور معافی کے قابل ہو کہ نہیں اور یہ بھی کہ تم اس غفلت سے پلٹنا چاہتے ہو کہ ابھی بھی یونہی زندگی کو بس گزارنا چاہتے ہو۔''

اس کے اثبات میں سر ہلا کر متوجہ ہونے پر وہ اسے واقعہ سنانے لگے۔

''بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا گنہگار تھا۔ اس نے توبہ کرنی چاہی لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی توبہ قبول ہوگی بھی یا نہیں۔ لوگوں نے اسے ایک عابد کا پتہ بتایا کہ اس عابد کے پاس جاؤ۔ وہ اس کے پاس گیا اور کہا کہ میں بڑا گنہگار ہوں اور ننانوے آدمیوں کو بلاوجہ قتل کر چکا ہوں اور اب توبہ کرنا چاہتا ہوں کیا میری توبہ قبول ہو گی؟

عابد نے اس کی پوری بات سنی اور کہا کہ ''نہیں۔'' اس شخص نے جواب سن کر اس عابد کو بھی قتل کر کے سو کا عدد پورا کر دیا۔

پھر لوگوں نے اسے ایک عالم کا پتہ دیا وہ وہاں گیا اور اس عالم سے وہی سب پوچھا۔ اس عالم نے کہا کہ تمہاری توبہ ضرور قبول ہوگی مگر اپنی زمین سے نکل جا کہ یہ فساد کی جگہ ہے اور فلاں جگہ چلا جا، وہاں صالح لوگ رہتے ہیں۔ وہ عالم کی بات مان کر اس طرف چل پڑا کہ راستے میں اسے موت نے آلیا۔ اب رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہوا کہ اس پر ہماری ولایت (قبضہ) ہے۔

ارحم الراحمین کا حکم ہوا کہ اس کی زمین ناپو، زمین ناپی گئی تو وہ صالح لوگوں کی طرف بالشت بھر زیادہ بڑھ چکا تھا۔ پس رحمت کے فرشتے اس کی روح کو لے گئے۔

اب اس واقعے سے معلوم ہوا کہ نجات کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ گناہوں کا پلہ بالکل خالی ہوگا اور نیکی کا پلہ بھاری ہوگا تو ہی توبہ قبول ہوگی۔ اگر انسان غلطی مان کر تھوڑا سا بھی جھکے گا تو ان شاء اللہ اس کی نجات ممکن ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ تو اس انتظار میں ہے کہ کب اس کا بندہ اس کے حضور حاضر ہو کر معافی طلب کرے اور کب وہ اسے معاف کر کے اپنی رحمت کے سائے تلے لے لے۔''

وہ بات مکمل کر کے اسے سوچوں کے بھنور میں ڈوبا چھوڑ کر تہجد کے لیے وضو کرنے چل دیئے۔ کمرے کا وال کلاک رات کے تین بجنے کی اطلاع دے رہا تھا۔

......

سرخ کامدانی لہنگے میں اس کا دلکش سراپا نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ ضروری رسموں کے بعد اسماء اور عمارہ چند

ایک ضروری نصیحتیں کر کے اسے اطیب لغاری کے کمرے میں چھوڑ گئی تھیں۔ کمرے کو سرخ پھولوں اور دیوں کی مدد سے سجایا گیا تھا۔ کمرے کے وسط میں دیوار کے ساتھ بیڈ تھا اور اس کے عین سامنے نیچے سرخ پتیوں سے دل بنا کر اس کے اردگرد جلتے دیئے رکھے تھے۔ بیڈ پر، بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ بیڈ کی دائیں جانب کمرے کا دروازہ تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر ڈبل سیٹر صوفہ اور اس کے ساتھ بائیں طرف ایک اور ڈبل سیٹر صوفہ تھا جن کے درمیان میں ٹیبل اور بالکل سامنے کی دیوار پر LED نصب تھا۔ صوفوں کی درمیانی ٹیبل کو بھی پھولوں سے ڈھک کر وسط میں دیوں سے Happy Marriage لکھا تھا۔

یہ سب علینہ کی کارستانی تھی جس نے اپنی ایونٹ مینجمنٹ کا تجربہ اس کے کمرے کی سجاوٹ کر کے کیا تھا۔ وہ بیٹھ بیٹھ کر اکڑ چکی تھی اور جب بھی لیٹنے کی کوشش کرتی علینہ جلدی سے بازو پکڑ کر روک دیتی۔

"ایڈیٹ! اتنے پیارا لگ رہا ہے یوں پھیلا ہوا لہنگا لیٹو گی تو سارا سمٹ جائے گا۔"

"تم دفع کیوں نہیں ہو جاتی ہو یہاں سے۔" دائنہ نے اس کی حرکتوں سے چڑ کر کہا۔ پہلے ہی کمرے کے اچھے خاصے رومینٹک ماحول نے اسے ڈسٹرب کر رکھا تھا اوپر سے یہ بلا۔

"اگر میں چلی گئی تو تم جو بار بار منہ کھولے جمائیاں لے لے کر لیٹنے کی کوشش کر رہی ہو ناں فوراً سے سو مر جاؤ گی اور اطیب بھائی بیچارے اپنے حجلہ عروسی میں سوئی دلہن دیکھ کر دل مسوس کر رہ جائیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح ہی بالکل ان رومینٹک مال ہیں۔" علینہ نے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی تھی۔

"پلیز علینہ، دیکھو رات کے بارہ بج چکے ہیں اور میں دن کے بارہ بجے سے بیٹھی ہوئی ہوں۔ کچھ تو رحم کھاؤ اور میرا سر کھانے کی بجائے جاؤ یہاں سے تمہیں تمہارے شوہر کا واسطہ۔"

"میرا شوہر تمہارا بھائی ہے۔"

"ہاں ناں تمہیں میرے بھائی کا واسطہ۔" دائنہ نے تپ کر ٹھپ سے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے جس سے خاموش ماحول میں اس کی چوڑیوں کی جلترنگ بجی۔

"ہاؤ رومینٹک نا۔" علینہ نے اپنے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے لہک کر کہا۔

"اف، ایک تو تم ہر چیز میں سے جو رومینس دریافت کرتی ہو ناں سخت چڑ ہے مجھے تمہاری اس عادت سے۔"

''ہاں بھئی، تم جیسی بورنگ لڑکی کیا جانے رومینس۔''

''تمہارے اطیب بھائی بے شک تمہارے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے ہوں تا کہ وہ اندر آئیں اور تم یہاں بلاوجہ کی ہٹلر بنے بیٹھی ہو اور پھر کہتی ہو ہم دونوں بورنگ ہیں ہمیں رومینس کا نہیں پتہ۔''اب کے دائنہ کی مصنوعی جذبات میں کی گئی بات علینہ کے دل پر لگی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں جاتی ہوں لیکن پلیز لیٹنا مت اور سونا بھی نہیں۔ کم از کم آج کی رات تو بالکل نہیں سونا اور اطیب بھائی کی تو ویسے بھی تمہارے قاتل حسن کو دیکھ کر نیندیں اڑ پھڑ جائیں گی۔''وہ شرارت سے بولی۔

دائنہ نے دل میں کلمہ شکر ادا کیا اور فوراً اثبات میں سر ہلایا کہ کہیں پھر سے اس کا ارادہ بدل نہ جائے۔

''گڈ نائٹ سویٹ ہارٹ۔''اسے آنکھ مار کر ہوائی کس دیتی وہ کمرے سے نکل گئی۔ دائنہ نے پرسکون ہو کر سانس لی اور فوراً لہنگا سمیٹ کر تکیہ سیٹ کیا اور سیدھی لیٹ گئی۔ کمر واقعی تختہ بن چکی تھی۔ اپنی نیند سے بوجھل آنکھوں کو بمشکل کھولتی چھت پر لٹکے فانوس کو دیکھنے لگی۔

''کیا مجھے اسی روپ کے ساتھ جاگ کر اس کا انتظار کرنا چاہیے یا پھر چینج کر کے سو جانا چاہیے۔ اگر جاگتی رہی دلہن بنی تو وہ کیا سوچے گا میں دائنہ اکرام اس......اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ہاؤ اسٹرینج۔''وہ خود کی سوچ پر استہزائیہ ہنسی۔ اسی لمحے نیند کی پری نے آہستگی سے اس کی آنکھوں کو اپنی آغوش میں لے کر اس کے وجود کو تھپک دیا۔

رات کا نجانے کونسا پہر تھا جب پیاس کے باعث اس کی آنکھ کھلی۔ چند منٹ غائب دماغی سے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اسے یاد آیا وہ کہاں ہے۔ خود پر لدے زیورات اور بھاری لہنگے سے کوفت محسوس ہوئی۔ وہ اٹھی اور کمرے کی نیم روشنی میں ٹٹول ٹٹول کر چلتی روم فریج کی طرف بڑھی۔ عمارہ بھابھی بتا گئی تھیں کہ فریج میں پانی، جوسز اور فروٹس موجود ہیں۔

فریج سے بوتل نکال کر پانی پیا اور لہنگا سنبھلتی ڈریسنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ خود کو ناقابل برداشت بوجھ سے آزاد کیا اور ہلکی پھلکی ہو کر واپس کمرے میں آئی۔ فرش پر بنے دل کے گرد موجود دیے بجھے ہوئے تھے۔

''لائٹ۔'' اس کے دماغ میں جھماکا ہوا۔ جب وہ سوئی تھی تو ساری لائٹس آن تھیں۔ دیے جل رہے تھے اگر وہ کمرے میں نہیں آیا تھا تو کس نے بجھایا یہ سب۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ نیم اندھیرے میں ہی بائیں جانب دیکھا۔ بالکونی کا دروازہ بند تھا اس نے گردن گھمائی اور داخلی دروازہ گھورا۔ وہ بھی بند تھا قریب پڑے صوفے پر کسی وجود کے ہونے کا احساس ہوا تو تھوڑا آگے کو جھک کر آنکھیں مکمل پھاڑ کر دیکھا وہ وہیں لیٹا تھا۔ بازو آنکھوں پر دھرا تھا اور ٹانگیں صوفے سے نیچے آ رہی تھیں۔ چھ فٹ تین انچ کے مرد کو ڈبل سیٹر صوفہ خود میں سمونے میں ناکام نظر آ رہا تھا۔

''کیا مجھے اسے بیڈ پر سونے کا کہنا چاہیے؟''

''نہیں، میں کیوں کہوں خود سو جاتا بیڈ پر میں نے کونسا منع کیا تھا۔ وہ خود ہی بیڈ پر سونا نہیں چاہتا ہوگا۔''

''ہونہہ۔'' اس نے ناک مروڑا، بیڈ پر سونا بھی نہیں چاہیے تھا، کڑھ کر سوچتی سیدھی چلتی بیڈ پر آئی اور کمفرٹ جھاڑ کر سر تک تان لیا۔

❖......❖......❖

مجھے راس ہیں
سرد موسم، برف لہجے
ٹھنڈی راتیں، بھیگی یادیں
تلخ باتیں، کڑوا گھونٹ
بے باک سچائی اور شب تنہائی

وہ منہ میں سیگرٹ دبائے ٹیرس پر لگی گرل کے ساتھ کھڑا تھا۔

کیا وہ سب کچھ بھول چکی ہوگی، اگر ہاں تو پھر میرا سامنا کرنے سے کتراتی کیوں رہی ہے۔ اور نہیں تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ایکدم سے سامنے جا کر معافی مانگنے کی ہمت کہاں تھی اور وہ اس طریقے سے معافی مانگنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

اس کا ارادہ تھا کہ پہلے وہ اسے اپنے وجود کا احساس دلائے گا۔ اسے باور کروائے گا کہ وہ ویسا نہیں رہا جیسا

وہ سوچ رہی ہوگی۔ پھر اسے اپنا عادی بنا کر اسے اپنی محبت میں مبتلا کرے گا اور جب یہ سب ہو جائے گا تو پھر اسے سمیٹنے میں آسانی ہوگی اور پھر ہی تب وہ اس سے معافی مانگے گا اور اپنی ساری محبتیں اور ساری توجہ اس پر نچھاور کردے گا اور تب اس کے پاس پلٹنے کا کوئی روزن نہیں بچے گا۔

''اور تب میں اسے پلٹنے دوں گا بھی نہیں۔'' وہ دل میں پختہ ارادہ کرتا بڑبڑایا۔

اپنی زندگی کے بہت سے سال اسے سوچتے گزارے ہیں۔ تصور ہی تصور میں اس سے معافیاں بھی مانگی ہیں۔ اس کے دکھوں کا مداوا کرنے کے عہد باندھے ہیں پھر کیسے وہ پلٹ سکتی ہے، اب وہ نہیں پلٹے گی اور نہ ہی اطیب لغاری اب کے تمہیں پلٹنے دے گا

''دائنہ اطیب۔'' اس کے ہونٹ آہستگی سے وا ہوئے تھے۔ سگریٹ کا آخری کش لے کر اس نے سگریٹ جوتے تلے مسلی۔ وہ اسموکنگ اڈیکٹڈ نہیں تھا ہاں کبھی کبھار طبیعت اور موڈ کے پیش نظر ایک آدھ سگریٹ پی لیتا تھا۔

منہ سے دھواں نکال کر بالوں میں انگلیاں چلائیں، کپڑوں کو جھاڑ کر سلوٹیں ہٹانے کی کوشش کی اور پلٹ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ سامنا تو کرنا ہی تھا چاہے آج یا پھر آئندہ۔

آہستگی سے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ واپس مڑ کر دروازہ لاک کر دیا اور پلٹ کر آگے بڑھا ہی تھا کہ بیڈ پر پڑے وجود کو سوتا دیکھ کر ایکدم سے پرسکون ہوا تھا۔ کنپٹی کی تنی رگیں ڈھیلی ہوئی تھیں اور وہ قدم قدم چلتا بیڈ کے قریب آ کھڑا ہوا۔

خوبصورت و دلکش وجود آنکھیں میچے نیند میں غافل تھا۔ چہرے پر چھائی معصومیت نے اس کے دل میں ہلچل مچائی تھی۔ وہ مزید آگے ہوا، جھومر اور ٹیکا بائیں جانب لڑھک گئے تھے اور نتھ کے موتی ہونٹوں میں چھپے ہوئے تھے۔ اس کا دل چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر اس نتھ کو اتار دے تاکہ وہ اس طرح سے اس کے لبوں کو چھو نہ پائیں۔ ایک ہاتھ سینے پر اور دوسرا تکیے پر دھرا تھا۔ بازو سرخ کانچ کی چوڑیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہتھیلی پر مہندی کے خوبصورت نقش و نگار نے پھر سے اس کے دل کی حالت زیر زبر کی تھی۔

وہ دل کے ہاتھوں مجبور جھکا تھا کہ اگلے ہی پل دماغ نے ''ابھی نہیں'' کہہ کر روک دیا۔

اسی وقت سویا وجود کسمسایا تھا تو وہ جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹا۔ اپنے دل کی اکساتی رومانوی سوچوں پر بند باندھتا وہ پلٹا اور لائٹیں اور دیے بجھا کر صوفے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ بمشکل صوفے پر آڑھا ترچھا لیٹ گیا۔ دو بج چکے تھے اور تین بجے اٹھ کر اسے تہجد پڑھنی تھی۔ اسے ابھی لیٹے چند منٹ ہی گزرے تھے جب اسے بیڈ پر ہلچل محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھوں پر رکھا بازو تھوڑا اونچا کیا۔

وہ اٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی شاید جگہ کا تعین کر رہی تھی پھر وہ اٹھی اور نیم روشنی میں سنبھل کر چلتی فریج کی طرف چلی گئی۔ پانی پیا اور لہنگا سنبھالتی ڈریسنگ روم میں غائب ہوگئی۔

اس نے آنکھیں بند کرلیں اور بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ پندرہ، بیس منٹ بعد وہ پھر سے واپس آئی اس نے آنکھیں کھول کر بازو ترچھا کیا۔ وہ اسے بیڈ سے کچھ فاصلے پر نیچے بنے ہارٹ کے پاس جھکی نظر آئی پھر وہ چونک کر سیدھی ہوئی اور بالکونی کا دروازہ دیکھا پھر پلٹ کر اس کی طرف مڑی اور باہر کا دروازہ گھورا تب اس کی نظر اس پر پڑی تھی۔ وہ آگے کو ہوئی اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا اطیب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی پھر وہ سیدھی ہوئی اور ایک ہاتھ کمر پر ٹکائے کچھ سوچنے لگی۔

اس کا دل چاہا کہ وہ اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑا ہو۔ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے اور جب وہ اسے معاف کردے تو وہ اس کے وجود کو خود میں سمیٹ کر سب کچھ بھول جائے۔ سب کچھ............

وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھا جب اس نے سر جھٹکا اور تیزی سے چلتی بیڈ پر چڑھی کمفرٹ سیدھا کیا اور سر تک تان کر لیٹ گئی۔

چاند بادل کی اوٹ میں چھپ چکا تھا اور اطیب لغاری کو اپنے ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا محسوس ہوا تھا۔

میں جو یوں مرمٹا تم پے

اس لیے نہیں کہ......!

تم حسن کی مورت ہو

اس لیے کہ......!

تم سادہ ہو قیامت ہو

میں جو یوں مرمٹا تم پے

اس لیے نہیں کہ......!

تم چاند کی چاندنی ہو

اس لیے کہ......!

تم خوابوں کی شہزادی ہو

واللہ سادگی میں قیامت ہو......!

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں اکیلی تھی۔ شکر کرتی وہ جلدی سے اٹھی اور بیڈ شیٹ درست کرتی واش روم میں گھس گئی۔ شاور لے کر لائٹ پنک کلر کا ہلکی ایمبر ائیڈری کا سوٹ پہنا اور واپس کمرے میں آئی کمرہ ابھی بھی خالی تھا۔

ٹاول سے بال رگڑتے ہوئے وہ دماغ میں الفاظ ترتیب دینے لگی جو سب کی باتوں کے جواب میں اسے کہنے تھے اور خاص طور پر علینہ چڑیل کے سوالات۔ اف......اس نے کڑھ کر سوچتے ہوئے بال جھٹکے اور برش کرنے لگی۔

بالوں کو سمیٹ کر اس نے میک اپ کا ہلکا سا نیچرل ٹچ دیا اور کانوں میں ٹاپس پہننے لگی۔ ٹاپس پہن کر رنگز اور پانچ، چھ سوٹ کی ہم رنگ کانچ کی چوڑیاں پہن کر خود کو اوکے کیا اور بیڈ کی طرف آ گئی۔ بیڈ پر بیٹھ کر اس نے پاؤں نیچے لٹکا لیے۔

نو بج چکے تھے۔ کیا مجھے باہر چلے جانا چاہیے؟ پاؤں جھلاتی وہ خود سے مخاطب تھی۔ اگر چلی گئی تو سب کیا سوچیں گے اور اگر نہ گئی تو پھر جو سوچیں گے سب۔ وہ شرم سے جھرجھری لے کر فوراً باہر کی جانب بڑھی۔

اوپر کے پورشن میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ مطلب ابھی کوئی بھی نہیں اٹھا تھا۔ وہ ریلیکس ہوتی گرل پر نیچے کو جھکی نیچے بھی کوئی نہیں تھا لیکن کچن سے کھٹر پٹر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ چائے پینے کا سوچ کر وہ نیچے چلی آئی۔ وہ آخری سیڑھی پر تھی جب اس کی نظر لاؤنج میں اخبار پڑھتے مکرم لغاری پر پڑی۔ کم از کم آج کی صبح وہ سب سے

پہلے ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ اسی کشمکش میں تھی کہ آیا واپس چلی جائے کہ نہ جائے جب مکرم لغاری نے بھی اسے دیکھ لیا۔انہوں نے ہاتھ میں پکڑی اخبار فولڈ کی اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

''ہماری بیٹی اتنی صبح اٹھ گئی۔''

ان کی چہکتی آواز پر وہ جھجکتی آگے بڑھی اور ان کی پھیلی بانہوں میں سما گئی۔

''السلام علیکم تایا ابو۔''

''وعلیکم السلام تایا ابو کی جان۔''انہوں نے مسکرا کر اس کے ماتھے پر بوسہ لیا اور اپنے ساتھ ہی صوفے پر بٹھا لیا۔

''دیکھ لو نو بج چکے ہیں اور ہم باپ بیٹی کے علاوہ سب گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں۔''

''آپ کا بیٹا بھی اٹھ چکا ہے۔''ان کی بات پر وہ مسکرائی لیکن بولی نہیں۔

''اور بھئی ہماری بیٹی کو پاکستان کیسا لگا۔''ان کا انداز اتنا دوستانہ اور لہجے میں اتنی میٹھاس اور نرمی تھی کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہی مکرم لغاری ہیں جو بیٹے کے ساتھ کبھی مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بھی بات نہیں کرتے۔ان کی بات پر وہ منہ پھلا کر ان کی طرف مڑ کر بیٹھی چہرے پر خفگی کے تاثرات واضح تھے۔

''مجھے کیا پتہ پاکستان کیسا ہے۔''

مکرم لغاری ہنس دیے۔

''ہم گھمائیں گے ناں اپنی بیٹی کو پورا پاکستان۔''

''اوہ......ہ......''اس نے آنکھیں مٹکائیں۔''پورا لاہور تو گھمایا نہیں ابھی تک اور پورا پاکستان گھمائیں گے۔''

ناراضگی نمایاں تھی۔اب کہ دائنہ کے انداز پر ان کا قہقہہ بے ساختہ تھا اطیب اگر باپ کو یوں ہنستے دیکھ لیتا تو غش یقینی تھا۔

''اب تک شادی کی تیاریوں میں بزی تھے لیکن اب شادی سے فارغ ہو چکے ہیں تو ضرور گھمائیں گے اپنی

بیٹی کو۔" وہ مسکراہٹ سمیٹ کر بولے اور سکینہ کو آواز دے کر دو کپ چائے لانے کا کہا۔

"تایا ابو! نیکسٹ سنڈے بابا لوگ واپس جا رہے ہیں۔" وہ گود میں رکھے کشن پر انگلی پھیرتی اداس سی بولی۔

"ہاں، اکرام سے بات ہوئی تھی میری اور میں نے اسے مزید رکنے کا بھی کہا تھا لیکن جاذب کی پریکٹس کی وجہ سے وہ مزید رکنے سے انکاری ہے۔"

"تو خالہ لوگ بھی تو واپس جائیں گے ناں جاذب بھائی ان کے ساتھ چلے جائیں۔ بابا اور ممی کچھ دن اور یہاں رک جائیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے، میں دوبارہ اکرام سے بات کرتا ہوں۔" انہوں نے سر کو جنبش دی۔

"بابا سے نہیں ممی سے، وہ تو مان ہی جائیں گے لیکن ممی جاذب بھائی کی وجہ سے نہیں مانیں گی۔"

"ہوں، کرتے ہیں بات لیکن ہماری بیٹی اس طرح سے اداس مت ہو۔" انہوں نے اس کے اداس چہرے کو دیکھ کر سر تھپتھپایا۔

"ہم بہت جلد جائیں گے ناں وہاں ملنے کے لیے اپنی بیٹی کو لے کر۔" ان کی پچکار پر وہ خوشی سے چہک اٹھی۔

"پرامس تایا ابو؟"

"پرامس سویٹ ہارٹ۔" انہوں نے پرامس کے لیے اس کی پھیلی ہتھیلی تھامی اور اسے بازو کے حصار میں لے کر اس کے سر پر بوسہ دیا۔ تب ہی ان کی نظر اطیب پر پڑی جو گرل پر ہاتھ رکھتا سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو اطیب۔ یہاں آ کر بیٹھو۔"

"اطیب؟" وہ ایک سرسری نظر اس پر ڈال کر سر جھکا گئی۔ اطیب باپ کی پکار پر بادل نخواستہ وہاں پڑے دوسرے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت سکینہ ٹرے میں دو کپ رکھے وہاں آئی۔ ایک کپ مکرم لغاری کے سامنے رکھا اور دوسرا دائنہ کے۔

"تم چائے پیو گے؟" مکرم لغاری نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''نہیں آپ پئیں۔'' وہ آہستگی سے بڑبڑایا۔سکینہ اس کا جواب سن کر واپس کچن میں چلی گئی۔مکرم لغاری نے چائے کا گھونٹ بھرا اور بیٹے کو دیکھا۔

''دائنہ کو ہم سے شکایت ہے کہ ہم نے اسے پاکستان تو کیا لاہور بھی نہیں گھمایا۔'' انہوں نے کہتے ہوئے ایک اور چسکی لی۔

وہ کیا کہتا، خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔درمیان میں پڑے گلاس ٹیبل کے نیچے سے وہ دائنہ کے پاؤں دیکھ رہا تھا۔''سفید پاؤں گلابی چپل میں'' آنکھوں کو بہت بھلے لگ رہے تھے۔

میں نے کہا ہے کہ اب ہم گھمائیں گے اسے نا صرف لاہور بلکہ جہاں جہاں یہ کہے گی وہیں لے کر جائیں گے اپنی بیٹی کو۔'' ان کے لہجے میں چھپی محبت اطیب نے بخوبی محسوس کی۔دائنہ خاموشی سے نظریں زمین پر مرکوز کیے گھونٹ گھونٹ چائے پیتی انہی کو سن رہی تھی۔

''اب یہ تمہاری ڈیوٹی ہے کہ تم نے ہماری بیٹی کو پورا پاکستان گھمانا ہے۔''

ان کی بات پر دائنہ کی نظریں بے ساختہ اٹھی تھیں اور اسی پل اطیب نے بھی سر اٹھایا تھا۔

کالی آنکھوں میں دکھ تھا، شکوہ تھا اور بھوری آنکھوں میں شرمندگی تھی، معافی کی طلب تھی۔دونوں کی نظریں ملی تھیں اور دونوں ہی بارہ سال آٹھ ماہ اور دس دن پیچھے چلے گئے تھے۔

....

وہ منہ پر ہاتھ رکھے چلانے لگی۔

''اوہ ہنی! واٹ ہیپنڈ چلا کیوں رہی ہو۔''

''پرنس بھا...... بھائی آپ کیا کر رہے ہیں۔''

''کچھ نہیں کر رہا۔یہ دیکھو میں یہاں بیٹھا ہوں۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر کہتا کچھ فاصلے پر پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔

بچی نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ منہ پر سے اٹھا کر دیکھا۔وہ واقعی اس سے دور صوفے پر بیٹھا تھا۔

''مم...... میں نیچے جا رہی ہوں۔''

''تم نیچے جا کر کیا کرو گی ہنی، ممی اور آپی مارکیٹ گئی ہیں اور مینو سو رہی ہے۔''

"میں ٹی وی دیکھ لوں گی۔ اس وقت سنڈریلا والے کارٹونز لگتے ہیں۔"

"میں تمہیں لیپ ٹاپ پر دکھا دیتا ہوں۔ مل کر دیکھتے ہیں اس طرح ٹائم بھی گزر جائے گا اور تم بور بھی نہیں ہو گی۔"

لڑکے کی بات پر وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔ ویسے بھی آجکل اس پر لیپ ٹاپ لینے کا بھوت سوار تھا جسے اس کی ممی ہر دفعہ یہ کہہ کر ٹال دیتی تھیں کہ ابھی تم چھوٹی ہو جب بڑی ہو جاؤ گی تو لے لینا۔

"میں چلاؤں گی اسے پرنس بھائی۔" وہ اسے لیپ ٹاپ اٹھاتے دیکھ کر خوشی سے بولی۔ کچھ دیر پہلے کا خوف زائل ہو چکا تھا۔

"کیوں نہیں، تم ہی چلانا۔" وہ مسکرا کر واپس اس کے قریب بیٹھا اور لیپ ٹاپ آن کیا۔ بچی بہت شوق سے اپنے پرنس بھائی کو انگلیاں چلاتے دیکھ رہی تھی۔

لڑکے نے سنڈریلا والے کارٹونز لگائے اور لیپ ٹاپ اس کی گود میں رکھ دیا۔ وہ ہاتھ کی تالی بجا کر خوشی کا اظہار کرتی کارٹونز دیکھنے لگی۔ اسے کارٹونز میں مگن دیکھ کر وہ کھسک کر اس کے قریب ہوا اور صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر اس کی طرف مڑا اور بہت غور سے اس کے خوبصورت گلابی چہرے کو دیکھنے لگا۔ اس کے کانوں میں اپنے دوست وصی کے جملے گونج رہے تھے۔

"پرنس! تیری کزن کتنی خوبصورت ہے۔ کبھی غور سے دیکھنا۔"

"یو آر رائٹ وصی، شی از سو پریٹی۔" وہ ہونٹ دبا کر اسے غور سے دیکھتا مسکرایا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"میری خالہ کی بیٹی ہے ناں پریسہ جس کی پک (تصویر) تجھے دکھائی تھی۔" وصی موبائل پر کچھ ٹائپ کرتا بولا۔

پرنس نے ہاں میں سر ہلایا۔ "وہ بھی بہت پیاری ہے۔" وہ معصومیت سے بولا کہ وصی نے بھی تو اس کی کزن کی تعریف کی تھی۔

وصی پرنس کی بات پر مسکرایا۔ "ہاں پیاری تو وہ واقعی بہت ہے۔" اس نے آنکھ مار کر خباثت سے کہا۔ "اور تجھے پتہ ہے اس بار جب وہ ہمارے گھر آئی تھی تو میں نے اسے اپنے انداز میں بہت پیار کیا۔" ماچس کی تیلی

چباتا وہ لوفرانہ طریقے سے بولا تھا۔

''اپنے انداز سے......مطلب؟''

''مطلب یہ میری جان۔''اس نے موبائل کی سکرین پرنس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔سکرین پر نظر آتے مناظر کو دیکھ کر پرنس کا دم اٹکا تھا۔

''واٹ؟''وہ شاکڈ سا پھٹی آواز میں چلایا۔اس کی اڑی رنگت پر وصی قہقہے لگا تا خوب ہنسا۔

''ابے جانی! جب ہم یہ دیکھ سکتے ہیں تو کر کیوں نہیں سکتے؟''

''یہ......یہ ٹھیک نہیں وصی، دیکھنے کی بات اور ہے لیکن کرنا......''وہ ہچکچایا۔

''ابے جو مزا کرنے میں ہے خالی خولی دیکھنے میں کہاں اور یہ جو اپنا حماد اور زنیر ہیں ناں یہ بھی تو اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ......''اس نے ایک آنکھ میچ کر بات ادھوری چھوڑی اور بے ہنگم قہقہہ لگایا۔

پرنس کے چہرے پر تذبذب کے تاثرات دیکھ کر وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

''اچھا چل، میں تجھے سمجھا تا ہوں سب۔''اور پھر وصی نے نجانے کیا کچھ اسے بتایا، دکھایا اور سمجھایا تھا۔

اس نے بیک سے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ ابھی بھی کارٹونز میں گم تھی۔اس نے نامحسوس انداز میں انگلی اس کی گال پر پھیری اور آگے کو جھک کر اس کے گال چھو لیے۔

''ہنی۔''

''جی۔''وہ ایک نظر اسے دیکھ کر جی کہتی پھر سے سکرین دیکھنے لگی۔

''آؤ، وہاں چل کر بیٹھتے ہیں۔''اس نے انگلی سے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں، میں یہیں ٹھیک ہوں آپ چلے جائیں۔''بچی کے لٹھ مار جواب پر اسے غصے تو بہت آیا لیکن سہہ گیا۔اس نے ٹائم دیکھا وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں میں بہلا کر اس نے پھر سے بیڈ پر جانے کا اپنا مطالبہ منوانا چاہا لیکن بچی نے پھر منع کر دیا اب مزید انتظار ناممکن تھا۔اس نے لیپ ٹاپ اس کی گود سے اٹھا کر ٹیبل پر رکھا اور سرخ آنکھوں سے بچی کو گھورا۔بچی کے چہرے پر پھر سے کچھ دیر پہلے کے سے خوفزدہ تاثرات ابھرے تھے۔

''میں جاتی ہوں پرنس بھائی۔'' وہ جلدی سے اٹھی اور سینڈل ہاتھ میں پکڑے بھاگنے ہی والی تھی جب لڑکے نے اس کا بازو تھام کر واپس صوفے پر گرایا۔

''مم...... مجھے جانے دیں پرنس بھا......ئی......'' پرنس کی غیر معمولی سرخ آنکھیں دیکھ کر وہ منمنائی۔ پرنس کوئی بھی جواب دیئے بنا اسے گھورتا رہا۔ بچی کا ذہن ناپختہ تھا لیکن حس ضرور الارم بجا رہی تھی۔ اس نے ایک دفعہ پھر سے منہ کو ہاتھوں سے چھپایا اور پوری طاقت لگا کر چلانا شروع کر دیا۔

''چلاؤ مت ایڈیٹ میں کچھ نہیں کر رہا۔'' وہ اس کی چیخوں پر بے زاری سے بولا۔ وصی کے پلان پر وہ لعنت بھیج چکا تھا۔ وہ مزید دور ہٹا۔

''ہنی! چلانا بند کرو ورنہ ایک تھپڑ لگاؤں گا میں۔'' وہ بالوں میں انگلیاں پھنسائے دھاڑا۔ اپنی بات پر اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر وہ غصے سے اس کی طرف بڑھا تھا تاکہ ایک تھپڑ مار کر اسے چپ کروا دے۔

''ہنی! کیپ کوائٹ آئی کانٹ ڈو اینی تھنگ سو پلیز اسٹاپ کرائنگ۔'' اس نے جھک کر بچی کے بازو تھامے اسے جھنجھوڑا اور بمشکل تحمل سے بولا تھا۔ اسی اثناء میں کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا اور مکرم لغاری نے اندر داخل ہو کر اسے پیچھے کو کھینچا۔

''اطیب۔'' وہ چنگھاڑے تھے اور یکے بعد دیگرے کئی تھپڑ اطیب لغاری کی گالوں کو تپا گئے تھے۔ دائنہ روتی ہوئی دروازے میں کھڑی نگین سے چمٹ گئی تھی جو منہ پر ہاتھ رکھے اندر کی سچوئیشن کو سمجھ کر گرنے والی تھیں۔

''بے غیرت انسان! اپنے ہی گھر کی عزت پر ہاتھ ڈال رہے تھے۔ شرم نہیں آئی ایسا کرتے ہوئے تجھے غلیظ انسان۔'' انہوں نے ایک اور تھپڑ اس کی سرخ گال پر جڑا۔

''بابا! میں......''

''چپ، بالکل چپ۔'' انہوں نے اسے پیچھے کو دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ ''خبردار جو اپنی گندی زبان سے مجھے بابا کہا۔''

''تم...... اطیب تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی۔ دو دو بہنوں کے ہوتے ہوئے تم نے۔'' شدت ضبط سے ان کی حالت خراب تھی ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کا خون کر دیں۔

وہ سرخ چہرہ لیے نفی میں سر ہلا رہا تھا آنسو اس کی گالوں کو بھگوتے جارہے تھے۔اسماء دروازے میں ہی ماں کا بازو تھامے کپکپا رہی تھی۔

''مم......میں نے......کچھ......کچھ نہیں کیا با......با......'' وہ لڑکھڑاتی زبان سے اٹک اٹک کر بولا۔باپ کا پتھر چہرہ اسے خوف میں مبتلا کر رہا تھا لیکن اپنی صفائی دینی بھی ضروری تھی۔اس کی بات پر مکرم لغاری جو بالوں میں انگلیاں پھنسائے صوفے پر بیٹھ گئے تھے یک لخت بپھرے ہوئے اٹھے۔

''تم بچیوں کو لے کر جاؤ نگین۔'' ان کی آواز اتنی سرد تھی کہ نگین کی روح کانپ گئی۔وہ بولنا چاہتی تھیں لیکن الفاظ زبان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ایک نظر شوہر کے چٹانوں سے سخت چہرے کو دیکھ کر وہ دائنہ کو ساتھ لپٹائے دروازے سے پیچھے ہٹ گئیں۔

زوردار آواز میں دروازہ بند ہوا تھا۔وہ پاؤں گھسیٹتیں دائنہ اور اسماء کے ساتھ سیڑھیوں پر تھیں جب ان کے بیٹے کی دلخراش چیخیں ان کے کانوں میں پڑی تھیں۔وہ کانوں پر ہاتھ رکھتیں دائنہ کو لے کر جلدی سے سیڑھیاں اتر گئیں۔

''اسماء! تم دائنہ کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔'' انہوں نے کپکپاتی آواز میں دائنہ کو اس کی طرف بڑھایا۔اسماء ہچکیوں سے روتی دائنہ کا ہاتھ تھامے کمرے کی طرف چلی گئی۔نگین نے دل پر ہاتھ رکھے پھر سے اوپر کی طرف دیکھا۔دبی دبی چیخوں کی آوز ابھی بھی آ رہی تھی۔

''یہی اس کی سزا ہے۔'' وہ بڑبڑائیں اور مضبوط قدموں سے چلتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ان کے تاثرات سپاٹ ہو چکے تھے۔

✡......✡......✡

اسماء بیڈ کی پشت سے سر ٹکائے ترچھی سی لیٹی اپنے پہلو میں سوئی دائنہ کے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھی اور اس سے کچھ فاصلے پر امینا لیٹی تھی جو اب شاید سو چکی تھی۔اس وقت وہ بیس اور امینا پندرہ سال کی تھی۔

بہت مشکل سے اس نے دائنہ کو بہلا پھسلا کر چپ کروایا تھا جو روتی ہوئی ایک ہی رٹ لگائے جا رہی تھی کہ مجھے ممی، بابا کے پاس جانا ہے۔اس نے جیسے تیسے کر کے اسے چپ کروا کر تھوڑا سا کھانا کھلایا اور دودھ میں نیند کی

دوا ملا دی تھی تا کہ وہ سو جائے اور اس شاک کو مزید ذہن پر سوار مت کرے۔ خود اس کی اپنی نظریں سامنے دیوار پر ٹنگی انلارج تصویر پر تھیں جس میں وہ سب بہن بھائی موجود تھے۔

کتنا پیار سے اس نے چھوٹے بھائی کا نام پرنس رکھا تھا۔ جب وہ پیدا ہوا تھا تو اس کی آنکھیں اور بال ڈراک براؤن تھے جو روشنی میں گولڈن لک دیتے تھے۔ بابا نے اس کا نام اطیب رکھا تھا۔ یعنی "نیک اور پاکیزہ" اور جب وہ میری گود میں آیا تھا تو اسے دیکھ کر میرے لبوں سے بے ساختہ پرنس نکلا تھا مجھے تم پرنس ہی لگے تھے اطیب...... اس نے تصویر میں نظر آتے بھائی کو پکارا اور گالوں پر بہتے آنسو پونچھے۔

"تم اتنا گر کیسے گئے اطیب کہ تم نے اپنی چچا زاد بہن، اپنی کزن اور...... اور ایک بچی کے ساتھ ایسا کرنے کا سوچا بھی۔" اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہچکی دبائی کہ کہیں امینا اٹھ نہ جائے۔

"پرنس تو ایسے نہیں ہوتے اطیب۔ تم تو پرنس بننے کے قابل ہی نہیں ہو۔ مجھے تم سے نفرت ہے اطیب! نفرت۔" اس نے ایک آخری تلخ نظر اطیب پر ڈالی اور جھک کر دائنہ کا ماتھا چوما۔

"تم میرے پرنس نہیں ہو اطیب۔" آخری سوچ سوچ کر اس نے سر جھٹکا اور سختی سے آنکھیں بند کر لیں جیسے اب کبھی اطیب کی شکل دیکھنا نہ چاہتی ہو۔

⁂......⁂......⁂

"بس کریں بابا! یہ مر جائے گا۔" اذلان لغاری نے باپ کے بازو تھام کر پیچھے کیا جو بیلٹ ہاتھ میں لیے اطیب کے آدھ مرے وجود پر برساتے جا رہے تھے۔

"میں یہی چاہتا ہوں کہ یہ مر جائے...... یہ...... یہ مرے گا تو دھرتی اس کے گندے وجود سے پاک ہو جائے گی۔" انہوں نے نفرت سے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

"بابا! کول ڈاؤن پلیز آپ...... آپ یہاں بیٹھیں۔" وہ انہیں تھام کر صوفے کی طرف لایا۔ بٹھا کر پانی کا گلاس پکڑایا۔ انہوں نے دو، چار گھونٹ لے کر گلاس واپس ٹیبل پر پٹخ دیا۔

"میں دن رات ایک کیے تم لوگوں کو پر آسائش زندگی دینے کی خاطر گدھوں کی طرح کام کر رہا ہوں اور بدلے میں یہ مل رہا ہے مجھے میری اولاد سے۔ مٹی میں ملا دیا ہے اس نے میری عزت کو۔ کل کو تمہارے چچا، چچی کو

کیا منہ دکھاؤں گا میں، وہ لوگ کیا سوچیں گے میرے بارے میں کہ وہ ہم پر بھروسہ کر کے اپنی بچی ہمارے پاس چھوڑ گئے اور یہاں اس کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے کہ وہ اپنے تایا کے گھر میں ہی سیف نہیں ہے۔'' ان کی آواز میں نمی تھی۔

''بابا آپ ٹینشن مت لیں۔ چچا، چچی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔''

بیٹے کی بات پر انہوں نے جھکا سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''وہ لوگ ہمیشہ کے لیے نہیں گئے ہیں وہاں۔ حج کرنے گئے ہیں اور عید کے چوتھے دن واپسی ہے ان کی۔'' انہوں نے چلا کر اذلان کو گھورا۔

''مم...... میرا مطلب تھا بابا کہ ہم دائنہ کو پیار سے سمجھا دیں گے کہ وہ اپنے ممی بابا کو کچھ مت بتائے۔'' باپ کے غصے پر اذلان کی زبان بھی لڑکھڑا گئی۔

''اس بھیڑیئے نے......'' انہوں نے فرش پر دوھرے ہوئے اطیب کی طرف اشارہ کیا۔'' اس بچی کو جتنا خوفزدہ کر دیا ہے اس کے بعد تم اس کے پاس جا کر کہو گے کہ وہ کچھ بھی اپنے ماں باپ کو نہ بتائے تو جانتے ہو اس معصوم ذہن میں کتنی نیگیٹو سوچیں جنم لیں گی۔'' انہوں نے غصے سے اسے دیکھا۔

''بابا! ابھی کچھ دن باقی ہیں چچا لوگوں کے آنے میں۔ وہ بھول جائے گی سب......''

''ہوں۔'' وہ استہزائیہ ہنسے۔

''یہ گھٹیا انسان جو کر چکا ہے تمہیں لگتا ہے وہ دس، بارہ دن میں بھول جائے گی۔''

باپ کی بات پر اطیب کے نیم مردہ وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ صرف کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ارادہ بھی وہ ان کے آنے سے پہلے ہی کینسل کر چکا تھا لیکن نہ تو اس کی زبان ہل رہی تھی اور نہ ہی گلے سے الفاظ نکل رہے تھے۔ وہ بے بسی سے آنکھیں میچ گیا۔

اذلان کیا کہتا اب، خاموشی سے سر جھکا گیا۔ چند منٹ بعد مکرم لغاری اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اس کا موبائل، ٹیب اور لیپ ٹاپ میری اسٹڈی میں پہنچا دو، کمرے کو لاک کر کے چابی مجھے دے جانا، کھانا پانی کچھ نہیں ملے گا اسے۔'' وہ نفرت سے کہہ کر دروازے کی پاس پہنچے اور اذلان کو بھائی کی طرف بڑھتے

دیکھ کر پلٹے۔

''اگر کسی نے اس بدذات سے ہمدردی کرنے کی کوشش کی تو......''

ان کی ''تو'' سے آگے اذلان نے جھرجھری لی۔وہ دھمکی ادھوری چھوڑ کر کمرے سے نکل گئے اور دروازہ اتنی زور سے بند کیا کہ اذلان کو دونوں ہاتھ کان پر رکھنے پڑے۔ایک نظر بند دروازے پر ڈال کر وہ اس کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر ایک زوردار کک اس کی کمر میں ٹھوکی۔

''اٹھ ذلیل انسان۔''اس نے جھک کر اطیب کا بازو تھام کر اٹھایا اور اسے بیڈ پر لا پٹخا۔

''کہاں سے اتنا خناس بھرا تیرے دماغ میں کمینے۔''وہ غصے سے کہتا گلاس میں پانی بھر لایا اور گلاس اس کے منہ کو لگایا۔اطیب نے سرخ آنکھوں کو جنبش دے کر گلاس دیکھا اور ہاتھ مار کر گلاس گرا دیا۔چھناکے کی آواز ابھری تھی اور گلاس کا کانچ ادھر ادھر بکھر گیا۔

اذلان نے غصیلی نظروں سے اسے گھورا۔

''بالکل ٹھیک کیا بابا نے تیرے ساتھ،تو یہ ہی ڈیزرو کرتا تھا کمینے۔اور جتنا غصہ انہیں تجھ پر ہے وہ یقیناً کل پوری فلم چلائیں گے آج تو صرف ٹریلر دکھایا ہے انہوں نے تجھے۔''وہ نخوت سے کہتا سر جھٹک کر اس کی چیزیں جو مکرم لغاری نے کہی تھیں اٹھاتا کمرے سے نکل گیا۔

اس نے سرخ سوجی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھا اس پل اطیب لغاری کو خود سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

......

وہ چیزیں باپ کی اسٹڈی میں رکھ کر لاؤنج میں آیا تو اسے اپنے کمرے سے نکلتے دیکھ کر نگین فوراً اس کی طرف لپکیں۔

''تمہارے بابا کیا کر رہے ہیں اذلان۔''

''شاور لے رہے ہیں۔''وہ مختصراً بولا۔

''تم اطیب کی چیزیں کہاں رکھ کر آئے ہو؟''

''بابا نے اپنی اسٹڈی میں رکھنے کو کہا تھا۔''

''اس نے کچھ نہیں کھایا۔'' ان کا اشارہ اطیب کی طرف تھا۔

''بابا نے منع کر دیا ہے اسے کھانا، پانی دینے کو اور روم بھی لاک کرنے کا کہا ہے۔''

''وہ مر جائے گا۔'' وہ روہانسی ہوئیں۔

''تو مر جائے۔'' اس کے تڑخ کے کہنے پر نگین نے خفگی سے بیٹے کو دیکھا جس کے چہرے پر دبا دبا غصہ تھا۔

''دائنہ کہاں ہے، اسے کھانا کھلایا؟'' وہ ماں کے مرجھائے چہرے کو دیکھتے دھیما پڑا۔

''ہاں، اسماء نے کھلا دیا تھا اور اسی کے کمرے میں سو رہی ہے۔''

''ممی! اس کا خیال رکھیں۔ ہماری رسپونسیبلیٹی پر چاچو لوگ اسے یہاں چھوڑ کر گئے تھے۔''

''ہاں جانتی ہوں میں۔'' وہ پریشان سی بولیں۔ ''پتہ نہیں کیسے یہ سب ہو گیا اذلان۔ وہ ایسا تو نہیں تھا پھر کیسے۔'' وہ بیٹے کے کندھے سے سر ٹکائے رونے لگیں۔

اذلان ہونٹ بھینچے کھڑا رہا۔ وہ واقعی ایسا نہیں تھا پھر کب اور کیسے اس کے دماغ میں اتنی گندگی سمائی؟ وہ خود حیران تھا۔

''ممی پلیز خود کو سنبھالیں اور بابا کو جا کر دیکھیں وہ بہت ہرٹ ہوئے ہیں۔'' اس نے ماں کو تھام کر سامنے کیا اور ان کے آنسو پونچھے۔

''ہوں۔'' وہ سر ہلا کر مزید کچھ کہے بنا دوپٹے سے آنکھیں صاف کرتیں کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ ماں کے اوجھل ہوتے ہی وہ پلٹ کر کچن میں گیا۔ دودھ گرم کیا، ٹرے میں دودھ کا گلاس اور دو سلائس رکھے۔ کیبن سے فرسٹ ایڈ باکس نکال کر آئنمنٹ نکالی اور ٹرے لیے اوپر چلا آیا۔

لات مار کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا، وہ چت لیٹا آنکھیں چھت پر ٹکائے ہوئے تھا۔

''اٹھ۔'' اس نے پاس آ کر اس کا بازو پکڑا اور کھینچ کر سیدھا بٹھا دیا جیسے وہ انسان نہیں ڈمی ہو۔ پلٹ کر ٹرے سے ٹیوب اٹھائی اور اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ ہونٹ پھٹ چکا تھا، ناک سے خون نکل کر ٹھوڑی تک جما ہوا تھا، آنکھ کے پاس اور دائیں کنپٹی پر گومڑا ابھر آیا تھا، گالوں پر انگلیوں کے نشان واضح تھے یوں جیسے گیلی چکنی مٹی

پر ہاتھ دبا کر اٹھایا جائے تو نشان چھپ جاتے ہیں۔اس نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے ٹشو سے خون صاف کیا اور مرہم لگانے لگا۔اطیب نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''آج تو ٹریلر تھا کل پوری فلم چلے گی ناں پھر اس سب کا فائدہ۔''اس نے مرہم لگانے کی طرف طنزیہ اشارہ کیا۔

''کل کے لیے ریڈی کر رہا ہوں تجھے۔''اذلان نے مسکرا کر کہا۔اس کی مسکراہٹ اطیب کو زہر لگی تھی۔

اذلان نے اس کے چہرے پر مرہم لگا کر اس کی شرٹ اتاری۔

''اف۔''اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔بابا نے واقعی بہت بے دردی سے مارا تھا اسے،پوری پیٹھ پر بیلٹ کے نشانات اور گہرے زخم پڑ چکے تھے۔اس نے صاف کر کے اچھی طرح سب زخموں پر آئنمنٹ لگائی اور ہاتھ دھونے چلا گیا۔واپس آیا تو وہ ابھی بھی اسی طرح سٹل بیٹھا تھا۔اذلان نے ٹرے بھائی کے سامنے رکھی اور اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

''جلدی سے یہ فنش کر کے ٹیبلٹ لو اور سو جاؤ۔''

''اطیب......ب۔''اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر وہ غرایا۔

اس کی غراہٹ پر اطیب نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

''مجھے نہیں کھانا اور نہ ہی سونا ہے تم جاؤ یہاں سے۔''

''مجھے بھی یہاں تیری پٹی سے لگ کر بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں صرف ممی کی وجہ سے یہ کر رہا ہوں ورنہ تجھ سے مجھے کوئی ہمدردی نہیں۔تو اسی قابل تھا۔''وہ دانت پیس کر بولا۔اطیب کوئی بھی جواب دیے بنا اسی طرح بیٹھا رہا۔

''اطیب پلیز!اسٹاپ دس نان سینس یہ کھالو میں چلا جاؤں گا برتن لے کر۔سنا تھا تم نے بابا نے کیا کہا تھا۔''

وہ ہنوز بیٹھا رہا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔تھک کر وہ اس کے پاس بیٹھا اور زور زبردستی سے سلائس کھلائے،ٹیبلٹ کے ساتھ دودھ پلایا اور ٹرے اٹھا کر کھڑا ہوا۔

''میں جا رہا ہوں تم ریسٹ کرو اور خبردار اگر کوئی الٹی سیدھی حرکت کی۔کل تک بابا کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔''وہ تسلی دیتا کمرے سے نکل گیا۔

اطیب نے تکیے پر گر کر خود کو ڈھیلا چھوڑا اور آنکھیں سختی سے بند کر لیں جیسے اب کبھی انہیں کھولنے کا ارادہ نہ ہو۔

اگلی صبح معمول کے مطابق ہوئی تھی مگر لغاری پیلس پر چھایا سناٹا ہرگز معمول کے مطابق نہ تھا۔وہ سب ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھے بے دلی سے ناشتہ زہر مار کر رہے تھے۔

نگین ساری رات سو نہیں پائی تھیں کیونکہ مکرم لغاری ساری رات اسٹڈی میں بند رہے تھے۔وہ ایک، دوبار گئیں بھی لیکن انہوں نے غصے سے انہیں وہاں سے نکال دیا تھا۔شوہر کا رویہ بہت انسلٹنگ تھا۔انہیں رہ رہ کر بیٹے پر غصہ آ تا رہا تھا۔

اب بھی بار بار وہ ترچھی نظروں سے شوہر کے تاثرات جانچ رہی تھیں کہ کیسے بات شروع کریں۔خود میں ہمت نہ پا کر انہوں نے سامنے بیٹھے بیٹے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں بات شروع کرنے کو کہا۔اذلان نے ماں کا اشارہ سمجھا اور خود بھی اشارے سے ہی نو ہیلپ کا ٹکا سا جواب دیا وہ تو سوچ رہا تھا کہ صبح تک بابا نارمل ہو جائیں گے لیکن ان کے چہرے پر چھائے سرد تاثرات ہرگز نارمل نہیں تھے۔

چند منٹ مزید اسی کشمکش میں گزرے کہ نگین نے گلا کھنکارا۔

”وہ رات سے بھوکا کمرے میں لاکڈ ہے مکرم کچھ کھانے کو......“ شوہر کی تیوری نے انہیں بات مکمل کرنے نہیں دی۔

”اگر تم چاہتی ہو کہ میں اسے کسی ایسی جگہ لے جاؤں جہاں تم اس کی خاک بھی نہ پا سکو تو یونہی سہی۔“

”نن......نہیں مکرم، ایسا مت کیجئے گا پلیز۔“ وہ منت بھرے لہجے میں بولیں۔

”تم جیسی ہی مائیں ہوتی ہیں جو اپنی اولاد کو ناجائز فیور دیتی ہیں اور پھر یہی اولاد دسروں میں مٹی ڈال کر ماں، باپ کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑتی۔“

ان کی بات پر وہ خاموش رہیں کہ اسی میں عافیت تھی۔

”ایک تربیت ہی کرنی تھی تم نے اپنے بچوں کی وہ بھی ٹھیک سے نہیں کر پائی ہو، میری ایک ٹانگ لاہور اور

دوسری کراچی میں ہوتی ہے میں بزنس چلاؤں یا پھر تمہارے بچوں پر نظر رکھوں۔"

تمہاری اولاد، تمہارے بچے کے الفاظ نے انہیں تپا دیا۔

"تمہاری اولاد اور تمہارے بچے تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے میکے سے لے کر آئی تھی میں مکرم صاحب۔ یہ آپ کی بھی اولاد ہے اور بچوں کی تربیت کرنا صرف ماں کا نہیں باپ کا بھی فرض ہوتا ہے۔" وہ تپ کر بولیں۔

ان تینوں بھائی، بہنوں نے سروں کو مزید جھکا دیا تھا، ماں باپ کی تکرار کا پہلا تجربہ تھا ورنہ وہ ایک آئیڈیل کپل تھے۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ گھر بیٹھ کر تمہارے بچے پالتا ہوں اور تم اپنی دوستیاں اور پارٹیز نبھاؤ۔" انہوں نے ٹھنڈے لہجے میں طنز مارا تھا۔

نگین نے بے چینی سے پہلو بدلا انہیں بالکل امید نہیں تھی کہ وہ بچوں کے سامنے ہی ان کی اتنی انسلٹ کر دیں گے۔

"وہ ایسا نہیں ہے غلط دوستوں کی وجہ سے۔"

"جب تم جانتی تھی کہ اس کی صحبت ٹھیک نہیں ہے تو مجھے انفارم کیوں نہیں کیا تم نے۔" وہ فورک پلیٹ میں ٹیچ کر چلائے تھے۔ خاموشی میں فورک اور مکرم لغاری کی آواز کا ارتعاش پیدا ہوا تھا۔

"بابا پلیز! گھر میں سرونٹس موجود ہیں۔" اذلان صورتحال بگڑتی دیکھ کر بولا۔ انہوں نے ایک تیکھی نظر بیوی کے جھکے سر پر ڈالی اور چیئر کھسکا کر کھڑے ہوئے۔

"اسماء بیٹا! دائنہ کہاں ہے؟"

"بابا! وہ میرے روم میں سو رہی ہے۔" انہوں نے بیٹی کی بات پر سر ہلایا اور اس کے روم کی طرف بڑھ گئے۔

وہ بیڈ پر سیدھی لیٹی سو رہی تھی۔ گلابی پھولے گالوں پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان موجود تھے۔ ان کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر مسلا۔ انہوں نے چند پل خاموشی سے اس کے معصوم چہرے کو دیکھا اور آہستگی سے جھک کر اس کے ماتھ پر بوسہ لیا اور اس پر کمبل ٹھیک کرتے کمرے سے نکل گئے۔ ان کے دل میں اطیب لغاری

سے نفرت کا گراف مزید بڑھ گیا تھا۔

⁂......⁂......⁂

شام کے سات بج چکے تھے اور مکرم لغاری ابھی تک آفس سے واپس نہیں آئے تھے۔ عام طور پر وہ چھ بجے تک آ جاتے تھے اور آج نہ وہ خود آئے اور نہ ہی لیٹ آنے کا بتایا۔ آج تو خلاف معمول ان کا سیل بھی آف تھا۔ وہ سب لاؤنج میں بیٹھے انہی کا انتظار کر رہے تھے۔

''تم نے دونوں کیز اپنے بابا کو کیوں دیں اذلان۔'' وہ اذلان کو دیکھتی دبی دبی چلائی تھیں۔ اذلان نے چڑ کر انہیں دیکھا کل سے ایک کے کیے کی سزا وہ باقی سب بہن، بھائی جھیل رہے تھے۔

''حد ہے ممی! مجھ پر کیوں چلا رہی ہیں۔ اپنے لاڈلے کا غصے اسی پر نکالیں ہم تینوں مفت میں پس رہے ہیں۔'' اس نے خفگی سے اسماء اور امینا کی طرف اشارہ کر کے کہا اور پشت صوفے سے ٹکا دی۔

''وہ کل سے بھوکا ہے اگر اسے کچھ ہو گیا تو......''

''تو اچھا ہو گا۔ قصہ نپٹ جائے گا۔'' اسماء نے میگزین کا صفحہ پلٹتے ہوئے نخوت سے کہا۔

''تم بکواس بند رکھو اپنی۔'' نگین نے بیٹی کو گھورا۔

''ہونہہ۔'' وہ سر جھٹک کر پھر سے میگزین دیکھنے لگی۔

''کچھ نہیں ہو گا ممی! رات اسے دودھ کے ساتھ سلائس کھلا دیئے تھے میں نے۔'' اذلان اکتا کر بولا۔

''چوبیس گھنٹے ہونے والے ہیں۔'' وہ فکر مند تھیں۔ ''تم اپنے بابا کو کال کرو۔''

''ممی! بابا کا سیل آف ہے۔'' اس نے دانت پیسے۔

''تو آفس میں کر لو کال۔''

''آفس میں بھی کر چکا ہوں۔ ان کے پی اے کا کہنا ہے کہ سر نے گھر کی کال لینے سے منع کر رکھا ہے آج۔'' اس کی بات پر جتنی سبکی اذلان کو ہوئی تھی اسی کا غصہ وہ اب نکال رہا تھا۔

''کچھ دیر کے لیے اطیب کو چھوڑیں ممی، دائنہ کا سوچیں اگر بابا کو پتہ چل گیا کہ وہ صبح سے بخار میں تپ رہی ہے تو......''

ازلان کی بات پر وہ پریشان سی اسماء کی طرف پلٹیں۔

''تمہیں میں نے کہا تھا کہ دائنہ کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھو۔''

''رکھی تھیں میں نے لیکن تھوڑی دیر بعد پھر سے بخار تیز ہو جاتا ہے۔''

''تو تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو۔اس کے پاس رہو وہ اٹھی تو خود کو اکیلے پا کر گھبرائے گی۔''

''اوہ ممی! پلیز مجھ سے اس طرح سے بات مت کریں۔آپ کے اس خبیث بیٹے کی وجہ سے ہی وہ اس حال کو پہنچی ہے۔'' وہ ماں کے انداز پر غصے سے چیخی۔

''آہستہ بکواس کرو۔ملازم موجود ہیں۔''

''ہاں اور ملازم تو جیسے اندھے اور بہرے ہیں ناں جنہیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔''

''تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔'' انہوں نے بیٹی کے تپے چہرے پر لعنت بھیجی اور امینا کی طرف مڑیں۔

''امینا بیٹا! تم جاؤ بہن کے پاس۔''

ان کی پچکار پر امینا شرافت سے سر ہلاتی کمرے کی طرف بڑھ گئی پیچھے اسماء بھی پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔اب وہ دونوں ماں بیٹا بیٹھے مکرم لغاری کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

٭......٭......٭

ساری رات شوہر کی کڑوی کسیلی باتیں سن اور سہہ کر وہ بالآخر کمرے کی چابی لینے میں کامیاب ہوگئی تھیں اور اگلی صبح اس کے کمرے میں جا کر شوہر کا سارا غصہ اسی پر نکالا تھا۔جس کی چیپ حرکت کی وجہ سے ان کی تربیت پر انگلی اٹھی تھی۔اوران کی باتوں کے جواب میں جب اس نے کہا کہ ممی میں نے کچھ نہیں کیا صرف ارادہ کیا تھا تو وہ غصے سے آؤٹ ہوتیں اس کے دو، چار تھپڑ جڑ آئی تھیں۔حد ہے یہاں بچی خوفزدہ ہو کر بخار میں تپ رہی تھی اور لارڈ صاحب کہہ رہے تھے انہوں نے کچھ نہیں کیا۔وہ غصے میں جو منہ میں آئے اسے کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔

''یہی سزا ڈیزرو کرتا ہے یہ۔'' انہوں نے کڑھ کر سوچا اور نیچے آ کر ملازمہ کو اسے کھانا دینے کا کہا تھا۔

دن گزرتے گئے اور بند کمرے میں ہی اس کی عید قربان بھی گزر گئی۔کسی نے پلٹ کر اس کی خبر نہیں لی تھی۔

تینوں وقت کا کھانا اسے اس کے کمرے میں مل جاتا تھا۔یہی اس کی ضرورت تھی ان سب کی نظر میں۔مکرم لغاری نے عید کے تیسرے دن اسے اپنی اسٹڈی میں بلوایا تھا۔

وہ اسٹڈی میں سر جھکائے ان کے سامنے کھڑا تھا جب انہوں نے کتاب بند کی اور اسے دیکھا جوان چند دنوں میں مرجھا سا گیا تھا۔اسے دیکھ کر بھی ان کے دل میں کوئی نرمی نہیں جاگی آنکھیں آج بھی اتنی ہی بیگانہ اور سرد تھیں جتنی چند دن پہلے۔

''کل شام کی فلائٹ سے تمہارے چچا لوگ واپس آرہے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ تمہارا ان سے سامنا نہ ہو۔''انہوں نے عینک اتار کر بات شروع کی۔''تم گھر میں اپنے کمرے میں رہو گے تو یہ ممکن نہیں اس لیے تم بیسمنٹ میں رہو گے۔''

''مم......میں بیسمنٹ میں نہیں جاؤں گا۔''

''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔''انداز دوٹوک تھا۔

''میں بیسمنٹ میں نہیں جاؤں گا بابا اور......اور میں......میں نے جب کچھ کیا ہی نہیں تو پھر کیوں کسی کا سامنا کرنے سے ڈروں۔''

اس کی بات پر مکرم لغاری نے الٹے ہاتھ کا تھپڑ مارا تھا۔

''رذیل انسان!شرم نہیں آتی تمہیں یہ کہتے ہوئے۔''

''بابا آئی سوئیر میں......''

''جسٹ شٹ اپ اینڈ ڈونٹ کال می بابا۔''وہ غرائے۔''تم اس قابل ہو ہی نہیں کہ تم سے کوئی بات کی جائے۔''

''بابا پلیز!میں دائنہ سے معافی......''

''نام مت لینا اپنی گندی زبان سے اس کا سمجھے تم۔تمہاری وجہ سے وہ دو دن بخار میں پھنکتی ہاسپٹل ایڈمٹ رہی ہے۔بہت مشکل سے سنبھالا ہے ہم نے اسے اور اب تم چاہتے ہو کہ تمہاری اس منحوس شکل کو دیکھ کر وہ پھر سے بیمار پڑ جائے۔''ان کے لہجے میں اتنی نفرت تھی کہ اس کی روح تک کانپ اٹھی۔

''میں خود بھی تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا ہوں اور گھر سے دفعان بھی نہیں کرنا چاہتا کہ باہر جا کر کسی اور گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالو گے اور میری اتنی سکت نہیں کہ تمہاری گندگی سمیٹتا رہوں۔کل صبح تم بیسمنٹ میں شفٹ ہو رہے ہو۔اٹس فائنل اور ایک بات یاد رکھنا وہاں سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے فضول کی کوششیں کر کے اپنی سزا کو مزید تنگ مت کروالینا۔اب تم جاؤ اور دوبارہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔'' انہوں نے نفرین دہ انداز میں اپنا فائنل فیصلہ اسے سنایا اور کتاب کھول کر پھر سے آنکھوں کے سامنے کرلی۔

وہ باپ کی آخری بات کو پلو سے تو نہیں البتہ شرٹ سے باندھ کر چلا آیا تھا۔

''مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔'' تکلیف دہ الفاظ کو تکلیف دہ انداز میں کہنے سے اذیت مزید بڑھ جاتی ہے اس کی بھی بڑھ گئی تھی۔وہ معافی کا نہیں سزا کا حقدار ہے وہ اچھے سے سمجھ گیا تھا۔

پھر کب چچا لوگ آئے اور واپس لندن گئے اس کے گھر والوں نے اس کے بارے میں ان کو کیا بتایا یا پھر اگر دائنہ نے اپنے پیرنٹس کو سب بتا دیا تھا تو ان کا کیا ری ایکشن تھا اور کب اسے بیسمنٹ میں قید تین مہینے گزرے وہ نہیں جانتا۔

اذلان MBA کرنے امریکہ جا چکا تھا۔اسماء نے باپ کی طرح پلٹ کر خبر لینا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا البتہ امینا کبھی کبھار ماں کے ساتھ اس کے پاس آجاتی تھی۔

تینوں وقت کا کھانا اسے مل رہا تھا۔اس کی ضرورت کی چیزیں اس کے پاس موجود تھیں۔اس نے وہاں سے نکلنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔کرتا بھی کیوں جب اس کے اپنے ہی اسے کسی گم گشتہ حصے کی طرح بھول گئے تھے تو پھر وہ وہاں سے نکل کر کیا کرتا۔وہ سزا کا حقدار تھا اور اسے اپنے کیے کی سزا جھیلنی ہی تھی۔

اس کی ماں اسے وہاں سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ نہیں وہ نہیں جانتا تھا لیکن اس وہاں سے نکالنے کا پروانہ لے کر اس کی ماں ہی اس کے پاس آئی تھی۔

''اطیب! تمہارے ماموں کل آرہے ہیں تمہیں لینے۔میرے ساتھ چل کر اپنی ضروری پیکنگ کرلو۔اب تمہیں وہیں رہنا ہے اسلام آباد میں ان کے ساتھ۔''

ماں کی بات پر اس کے ارد گرد بہت سے سوال اٹھے تھے مگر وہ بولنا چھوڑ چکا تھا اس لیے خاموشی سے ان کے پیچھے چلا آیا تھا۔

وہ پورے تین ماہ اور نو دن بعد اپنے کمرے میں واپس آیا تھا۔ اسے سب یاد آ رہا تھا۔ دائنہ کا ڈر، اس کی خوفزدہ چیخیں، اس کے باپ کا چیخنا چلانا، اس پر بے رحمانہ بیلٹ برسانا، اس کے بھائی کا اس کے زخموں پر مرہم رکھنا، ماں کا اپنی تربیت پر اٹھی انگلی پر اسے لعن طعن کرنا وہ کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا اور شاید یہ اذیت یہ تکلیف کبھی بھولی بھی نہیں جا سکتی تھی جو اپنوں سے ملی تھی۔

وہ سامان سمیٹ کر کمرے کی ملحقہ بالکونی میں آ کھڑا ہوا۔ آج اتنے دن بعد اس کی آنکھوں نے آسمان پر چھایا اندھیرا اور اس کی سیاہ چادر میں ٹنگے تاروں کو دیکھا تھا۔

اتنا دکھ، اتنی شرمندگی اور اتنی تکلیف تھی اس کی آنکھوں میں کہ دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ آسمان پر بادلوں نے ڈیرا جما کر تاروں کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا بالکل اس کی طرح۔

وہ غمزدہ تھا، وہ رو رہا تھا اور آسمان نے بھی غمگین ہو کر بارش برساتے ہوئے اس کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا۔

ایک کمی سی، ایک نمی سی چاروں جانب پھیل رہی ہے۔ کئی زمانے ایک ہی پل میں باہم مل کر بھیگ رہے ہیں۔ اندر یادیں سوکھ رہی ہیں، باہر منظر بھیگ رہے ہیں۔

✿......✿......✿

صبح جب بلاوے پر وہ ناشتے کی ٹیبل پر آیا تو اس کے گھر والوں کے ساتھ ماموں بھی وہاں موجود تھے۔ خاموشی سے ناشتہ ختم کرنے کے بعد ماموں نے گلا کھنکارا اور بابا کو مخاطب کیا۔

’’اطیب کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے مکرم اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اسے اپنے ساتھ اسلام آباد لے جانا چاہتا ہوں۔‘‘

’’اوہ! تو یہ صرف ممی اور ماموں کی ملی بھگت تھی۔ بابا اس پلاننگ سے بے خبر تھے۔ وہ سر جھکائے بے چینی سے باپ کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ دل میں کہیں تھوڑی سی امید تھی کہ وہ منع کر دیں گے لیکن باپ کے

صاف اور کورے جواب نے اس کی تھوڑی سی امید کو بھی ختم کر دیا تھا۔ وہ سر جھکائے ساکت سا بیٹھا باپ کے الفاظ سوچ رہا تھا۔

"مجھے کیا اعتراض ہوگا۔ ویسے بھی یہ اب جیئے یا مرے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میں اسے اپنی پیرنٹل کسٹڈی سے کک آؤٹ کر چکا ہوں۔ تم لے جانا چاہتے ہو تو لے جاؤ۔ آئی ڈیم کیئر لیکن میں اس کا خرچا اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرتا رہوں گا۔ یہ تم پر بوجھ بنے مجھے یہ پسند نہیں۔"

"مجھے بھی آپ کی بھیک لینا پسند نہیں۔" وہ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ گلے میں ہی پھنس گئے تھے اور وہ اسلام آباد آ گیا تھا۔

ماموں اپنے گھر میں ملازموں کے ساتھ اکیلے رہتے تھے۔ بیوی کچھ سال پہلے روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال کر چکی تھی اور اولاد اوپر والے نے دی ہی نہیں تھی مگر وہ پھر بھی صبر وشکر کے ساتھ زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ ماموں کے بار ہا کہنے پر بھی وہ پڑھائی جاری رکھنے پر نہیں مانا تھا اور یوں اس نے اپنی اسٹڈی کا ایک سال ضائع کر دیا تھا۔

ایک سال بعد وہ بور ہو گیا تھا یا پھر شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ علم کے بغیر زندگی بے مقصد ہے۔ اس لیے اس نے ماموں کو بتا کر کالج میں ایڈمیشن لیا اور بی سی ایس جہاں سے چھوڑا تھا وہیں سے کنٹی نیو کیا اور وہیں بیس سال کی عمر میں اس کی ملاقات اسید درانی سے ہوئی اور اسی ملاقات نے اس کی زندگی بدل دی۔

......

اسید درانی نے اسے توبہ کا راستہ دکھا دیا تھا۔ اب فیصلہ اس نے خود کرنا تھا کہ آیا وہ اس راستے پر چل کر اپنی زندگی کو سنوارے گا یا پھر جو جیسا ہے صحیح ہے کے اصول پر چلاتا رہے گا۔

چند دن لگے تھے اسے فیصلہ کرنے میں اور وہ ایک مضبوط فیصلہ کر چکا تھا۔ اسید درانی اس کے فیصلے سے بہت خوش ہوئے تھے۔ ان کا یقین رائیگاں نہیں گیا تھا۔ وہ پہلی نظر میں ہی جان چکے تھے کہ وہ اتنی سی عمر میں بہت کچھ جھیل چکا ہے مگر کیا وہ بے خبر تھے۔ اس کی آنکھوں میں انہیں تکلیف کے ساتھ ساتھ شرمندگی بھی دکھائی دی تھی۔ وہ مایوسی کی راہ میں اتنا آگے نہیں بڑھا تھا کہ جہاں سے واپسی ناممکن ہوتی اور واقعی وہ پلٹ آیا تھا۔ توبہ

کے راستے پر، صراطِ مستقیم پر۔

اور بے شک یہی سیدھا اور فلاح کا رستہ ہے۔

......

وہ نماز پڑھنا جانتا تھا لیکن پچھلے کئی سال سے اس نے کوئی نماز نہیں پڑھی تھی۔ وہ بھول چکا تھا وضو کا طریقہ بھی اور نماز کی ادائیگی بھی۔ اسید درانی نے اسے اس بات کا احساس دلائے بنا بہت شیریں طریقے سے وضو کرنا اور نماز پڑھنا سکھائی تھی۔

شروعات میں وہ نماز کا پابند نہیں بن سکا تھا اور ایک دو دفعہ اس کے قدم ڈگمگائے بھی تھے لیکن پھر ایک نئی توانائی بھر کر اس نے خود کو گرنے سے بچا لیتا تھا۔ اسید درانی کے پاس اس کے آنے کی وہی روٹین تھی۔ ہر اتوار وہ ان کے ساتھ گزارتا تھا۔

بی سی ایس کمپلیٹ کر کے اس نے ایم سی ایس کے لیے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا اور تب تک وہ نماز، روزے کا پابند بن چکا تھا۔ قرآن پاک سمیت اور بہت سی اسلامی کتابیں جو اسید درانی اسے وقتاً فوقتاً دیتے رہے تھے۔ سب ترجمہ و تفسیر کے ساتھ وہ پڑھ چکا تھا۔

زندگی کا چوبیسواں سال اس کی زندگی میں بہت لکی ثابت ہوا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح سترہواں سال بہت ان لکی۔

عمر کے چوبیسویں سال وہ اپنا ایم سی ایس مکمل کر چکا تھا۔ وہ اسید درانی کی شاگردی میں قرآن پاک حفظ کر چکا تھا اور اسی سال اسید درانی اسے اپنے ساتھ عمرے پر لے گئے تھے۔

اپنی زندگی کا پہلا عمرہ اس نے اسید درانی کی سرپرستی میں اس پاک زمین پر سجدہ ریز ہو کر کیا تھا اور پھر بعد میں تو ایک سلسلہ چل نکلا۔ وہ جب بھی کچھ فراغت پاتا تو فوراً عمرے کی ادائیگی کا پروگرام بنا لیتا۔

ایم سی ایس کے بعد اس نے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر لی اور جاب کے ساتھ ہی اس نے اپنا ایک سافٹ ویئر ڈیزائن کیا۔ اس کی اس کامیابی پر اسے بہت سی بیرونی کمپنیوں نے اپروچ کرنا چاہا تھا۔ اس نے اسید درانی سے مشورہ کر کے امریکہ کی سافٹ ویئر کمپنی میں جاب کر لی۔

ماموں کی ڈیتھ ہو چکی تھی اور گھر والوں نے اسے واپس نہیں بلایا تھا۔اس پر مایوسی کے بادل چھاتے دیکھ کر ہی اسید درانی نے اسے امریکہ جانے کا مشورہ دیا تھا چونکہ مشورہ اسید درانی کا تھا اس لیے اس نے اسے حکم سمجھا اور امریکہ چلا آیا۔

زندگی کے چند سال مزید گزرے۔اس دوران اذلان باپ کے ساتھ بزنس سنبھال چکا تھا اور خالہ زاد عمارہ سے شادی بھی کر چکا تھا۔اسماء کی شادی بابا نے اپنے دوست کے بیٹے سے کی تھی جبکہ امینا کی شادی اس کے کلاس فیلو سے ہوئی تھی۔سب اپنی اپنی فیملی لائف میں سیٹ ہو چکے تھے سوائے اس کے جو آج بھی اکیلا تھا۔اسید درانی نے اس کی تنہائی کو دیکھتے ہوئے بہت بار اسے شادی کا مشورہ دیا تھا اور یہ ان کا واحد ایسا مشورہ تھا جس پر وہ ہر بار ٹال مٹول سے کام لیتا تھا۔

عمر کا اٹھائیسواں سال تھا جب گھر سے اسے اذلان کی کال آئی تھی۔ ٹیلی فونک رابطہ تو پہلے بھی تھا لیکن اس دن کی کال میں وہ بات کہی گئی تھی جسے سننے کا وہ نجانے کب سے منتظر تھا۔

اذلان نے اسے واپس پاکستان لغاری پیلس میں بلوایا تھا یہ کہہ کر کہ وہ بابا کا بزنس اکیلے نہیں سنبھال سکتا اس لیے اسے واپس آکر بزنس سنبھالنے میں مدد کرے کہ بزنس پر اس کا بھی اتنا ہی حق تھا جتنا اذلان کا اپنا۔

وہ جانتا تھا یہ پکار صرف اس کے بھائی اور ماں کی تھی لیکن اس پکار پر اسے پلٹنا تھا اور وہ پلٹ آیا تھا۔گیارہ سال بعد بھی لغاری پیلس نہیں بدلہ تھا لیکن اس کے مکین ضرور بدل گئے تھے۔

یہ وقت کا کمال تھا یا اس کی قابلیت کا وہ نہیں جانتا تھا۔جانتا تھا تو بس اتنا کہ اس کی ماں نے اسے گلے سے لگا کر اتنے سالوں کی غفلت کی شکایت کی تھی۔اس کے بھائی نے اسے پیار بھری ڈانٹ پلائی تھی اور اس کی بہنیں خود بڑھ کر اس کے گلے لگتیں رو دی تھیں۔

سب نے سب کچھ بھلا کر اس کا پرتپاک استقبال کیا تھا سوائے مکرم لغاری کے۔وہ آج بھی کچھ نہیں بھولے بالکل اسی طرح جسطرح وہ خود بھی کچھ بھول نہیں پایا تھا۔

اس نے کچھ دن بعد بزنس میں کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ جوائن کر لیا اور زندگی کو پھر ایک نئے انداز سے گزارنا شروع کر دیا۔مزید ماہ وسال گزرے جب ایک بار پھر سے دائنہ نام کی ہوا جھونکا بن کر اس کی زندگی کی طرف

بڑھ آئی تھی۔

ان ماہ وسال میں کچھ بھی مشترک نہ تھا سوائے ایک چیز کے اور وہ ایک چیز تھی۔''یاد''

''دائنہ اکرام کی یاد۔'' جسے اطیب لغاری کبھی بھول نہیں پایا تھا۔ ہر دعا میں ایک دعا اسے کبھی نہیں بھولتی تھی اور وہ تھی دائنہ اکرام کے لیے مانگی گئی''دعا''

✡......✡......✡

وہ روتی دھوتی خوفزدہ سی تائی ماں کے ساتھ پرنس بھائی کے کمرے سے آ گئی تھی۔

اسماء اور امینا نے اسے بہلا پھسلا کر کھانا کھلا کر سلا دیا تھا اور جب وہ اٹھی تو تیز بخار میں مبتلا ہو کر سدھ بدھ کھو بیٹھی تھی۔ وہ نجانے کتنے دن ہوسپٹل میں رہ کر گھر آئی تھی۔ تایا ابو، تائی ماں، اسماء، امینا اور ازلان نے اسے بہت توجہ اور پیار دیا تھا ان چند دنوں میں۔ خوب گھمایا پھرایا اور عید کی شاپنگ کروائی تھی اس کا معصوم ذہن بہل گیا تھا جب ایک دن تائی ماں نے اسے اپنے ساتھ بٹھا کر بہت پیار سے کہا تھا۔

''دائنہ بیٹا! اپنے ممی، بابا کو پرنس کے بارے میں کچھ مت بتانا۔ تمہارے تایا ابو نے اسے اتنی سخت سزا دی ہے کہ وہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔''

اس نے معصومیت سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور پھر اس بارے میں اس کی زبان کبھی نہیں کھلی تھی۔

وہ بدل چکی تھی، اس نے اس کی معصومیت نہیں چھینی تھی لیکن اس کا بچپن ضرور چھین لیا تھا۔ دوست تو پہلے ہی وہ کم بناتی تھی لیکن اب بنے ہوئے بھی چھوڑ چکی تھی سوائے علینہ کے جو اس کی خالہ زاد بہن اور اب بس ایک ہی دوست تھی۔

اس کی ماں نے بہت پہلے سے ہی اس کے دماغ میں بہت سی نازک باتیں ڈالنی شروع کر دی تھیں۔ مثلاً جب اس نے سکول جانا شروع کیا تو تانیہ نے اسے سمجھایا تھا کہ بیٹا باہر سے کوئی بھی چیز، کسی کے ہاتھ سے بھی لے کر نہیں کھانی ہے۔ وہ بات سمجھ گئی تھی اور پوری طرح سے اس بات پر کاربند بھی تھی۔

پھر جب وہ تھوڑی اور بڑی ہوئی تو اس کی ماں نے اسے مزید سمجھایا تھا کہ بیٹا پیار وہی ہوتا ہے جو ہمارے بابا اور بھائی ہم سے کرتے ہیں۔ اگر کوئی میل ٹیچر، وین والا، گیٹ کیپر یا کینٹین والا آپ کو پیار کرنے کی کوشش

کرے تو اسے ایسا کرنے نہیں دینا ہے۔ ماں کی بات کے جواب میں اس نے دونوں پونیاں جھلاتے ہوئے ہاتھ کھڑا کیا۔

''ممی! ون کویسچن۔''

اس کے انداز پر تانیہ مسکرادیں۔

''پوچھو۔'' انہوں نے اس کی پونی کھینچ کر کہا۔

''ممی! کیا تایا ابو جب پیار کریں تو ان کو بھی منع کر دیا کروں۔''

بیٹی کی معصومیت سے کہی گئی بات پر تانیہ ہنسی تو پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ دائنہ نے کس ضمن میں یہ بات کی تھی وہ سمجھ گئی تھیں۔ چند دن پہلے ہی مکرم لغاری اپنی فیملی کے ساتھ بچوں کی چھٹیاں سپینڈ کرنے لندن آئے تھے۔ وہ جب بھی آتے تھے دائنہ کو خوب سیر سپاٹے کرواتے تھے۔ دائنہ انہیں بہت عزیز تھی اور وہ اس سے پیار بھی بہت کرتے تھے اسی لیے وہ مجسمہ سوال بنے پوچھ رہی تھی۔

بمشکل اپنی ہنسی روک کر تانیہ نے بیٹی کے پھولے پھولے گال چومے۔

''نہیں میری جان! تایا ابو بھی بابا کی طرح ہی ہوتے ہیں اور ازلان اور پرنس دونوں آپ کے بھائی ہیں جاذب بھائی کی طرح، میں تو صرف ان ناؤن پیپلز کے بارے میں کہہ رہی ہوں بیٹا جو ہمارے ریلیٹیوز نہیں ہوتے اور ہم ان کو نہیں جانتے ہیں۔''

''جی۔'' اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

''اور اگر کبھی ایسی سچویشن ہو کوئی فورسلی آپ سے پیار کرنے لگے تو ڈرنا نہیں ہے بلکہ شور مچا دینا ہے رائٹ؟''

''جی۔ ممی میں ایسے ہی کروں گی۔ اب میں جاؤں علینہ میرا ویٹ کر رہی ہو گی۔''

''ہاں میری جان جاؤ۔'' تانیہ نے اس کا ماتھا چوم کر جانے کی اجازت دی۔

اور پھر ماں کی بات اس نے دماغ میں بٹھا لی تھی اور پوری طاقت لگا کر اپلائی بھی کیا تھا جب اسے اپنے پرنس بھائی کا پیار کرنا اچھا نہیں لگا تو اس نے پوری طاقت لگا کر چیخیں ماری تھیں اور ماں کی بتائی ٹرک اس کے کام

آ گئی تھی۔ جب مکرم لغاری اور نگین لاؤنج میں داخل ہوئے تھے تو دائنہ کی چیخیں سن کر وہ بروقت وہاں پہنچ گئے تھے۔

وہ یہ تو نہیں جانتی تھی کہ کیا ہوا تھا لیکن اتنا ضرور جان گئی تھی کہ جو بھی ہونے جا رہا تھا غلط تھا اور پھر جب وہ سولہ، سترہ کی ایج میں پہنچی تو اس قصے کے متن کو سمجھ کر اسے اطیب لغاری سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

اسے لفظ "ہنی" سے چڑ ہو گئی تھی اور پھر اس نے کبھی کسی کو خود کو ہنی کہہ کر مخاطب نہیں کرنے دیا تھا جو اکثر سب اسے پیار سے کہہ دیتے تھے۔

وقت گزرتا گیا۔ اطیب لغاری سے نفرت بڑھتی رہی کہ عمارہ بھابھی نے اس کے دل و دماغ میں موجود اطیب لغاری کی نفرت کو ڈگمگا دیا۔

اذلان بھائی اور عمارہ بھابھی شادی کے بعد ان کے ہاں آئے تھے تب وہ بیس سال کی تھی۔ جب ایک دن باتوں باتوں میں انہوں نے اطیب کی بات چھیڑ دی اور علینہ نے ان کی باتوں کو بھرپور طریقے سے رگیدا تھا۔ انہی کی زبانی دائنہ کو پتہ چلا کہ اطیب لغاری نا صرف اپنا MCS مکمل کر چکا تھا بلکہ حافظ قرآن بھی بن چکا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے عمرے اور ایک حج بھی کیا تھا اور ان دنوں وہ امریکہ کی سوفٹ ویئر کمپنی میں جاب کر رہا تھا۔

دائنہ کے لیے یہ ساری معلومات کسی دھچکے سے کم نہیں تھیں۔ یہ سب باتیں سچ تھیں اطیب لغاری واقعی بدل گیا تھا اس کے سامنے ابھی بھی ایک سوالیہ نشان تھا۔ عمارہ بھابھی نے اطیب کے کسی سر اسید درانی کا ذکر کیا تھا جو مذہبی اسکالر تھے اور جن کے سر اطیب لغاری کو ایک شاندار انسان بنانے کا کریڈٹ جاتا تھا۔

دائنہ نے سر اسید درانی کو انٹرنیٹ پر سرچ آؤٹ کیا تھا مگر وہ ان کو ڈھونڈنے میں کامیاب نہ ہو پائی تھی پھر اس نے اطیب لغاری کو ساری سوشل سائیٹس پر سرچ کیا لیکن جواب پھر سے وہی تھا۔ اسے حیرت ہوئی اطیب لغاری واقعی بدل گیا تھا شاید۔ ابھی بھی اسے یقین نہیں صرف شک تھا۔

پھر ایک دن اچانک تلاش کے دوران یوٹیوب پر اسے چند سال پہلے کی ایک ویڈیو نظر آئی جس میں ایک مذہبی اسکالر کسی کالج میں بیان دے رہے تھے۔ وہاں موجود سارے لڑکے کالج کی عمر ہی کے تھے اور شاید ان میں

سے ہی کسی نے موبائل پر ویڈیو بنا کر یوٹیوب پر ڈال دی تھی۔

دائنہ نے وہ پوری ویڈیو دیکھی۔ایک بار نہیں بار بار......اور بار بار دیکھنے کی وجہ بولنے والے کا نرم طرزِ تخاطب اور دھیما پر تاثیر لہجہ تھا۔سب سے بڑھ کر ان کے ٹاپک نے دائنہ کو بہت اٹریکٹ کیا اور پھر جس انداز میں وہ سب کو سمجھا رہے تھے تو شاید ہی کوئی ہو جو سمجھ نہ پایا ہو۔ان کا ٹاپک "نوجوان نسل کی بے راہ روی" تھا۔انہوں نے بہت خوبصورت انداز میں موبائل فونز اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال پر روشنی ڈالی تھی۔جہاں ہمارے اسلامی ملک کے آدھے سے زیادہ نوجوان لڑکے،لڑکیاں نا صرف اپنا وقت بلکہ اپنی زندگیاں بھی برباد کر رہے تھے۔

انہوں نے لیکچر میں زنا کی مختلف اقسام بتائیں جن میں آنکھ،کان،زبان اور ہاتھ کا زنا شامل تھا۔

ان کا کہنا تھا کہ مختلف فیک اکاؤنٹس سے آئی ڈیز بنا کر ایک دوسرے سے فحش گفتگو کرنا زبان کا زنا ہے،فحش ویڈیوز کو دیکھنا اور دوسروں کے ساتھ شیئر کرنا آنکھ کا زنا ہے،فحش باتیں سننا اور سنانا کان کا زنا ہے اور اپنے ہاتھ سے کسی غلط چیز کو غلط انداز سے چھونا ہاتھ کا زنا ہے اور ہماری موجودہ نسل جوق در جوق روزمرہ ایسی ہی گناہ کر کے اور اپنی آخرت کی فکر کیے بنا زنا جیسے کئی گناہوں میں ملوث ہو کر خود کو تباہ کرتی جا رہی ہے۔

انہوں نے کہا کہ ان سب سے خود کو بچانا بالکل مشکل نہیں ہے بس خود میں ہمت،حوصلے اور پختہ ارادے کا ہونا ضروری ہے۔انسان اگر خود کو ہی اتنا مضبوط بنا لے تو شیطان تو کیا کوئی انسان بھی اسے بہکا نہیں پائے گا۔

ان کا مزید کہنا تھا کہ ایک انٹرنیٹ ریسرچ کے مطابق پاکستان پورنوگرافی دیکھنے والے ٹاپ فائیو ممالک میں شامل ہو چکا ہے۔

ایز آ مسلم یہ ہم سب مسلمانوں کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے کہ ہم سب کس طرف جا رہے ہیں کیا ہم سب کو ایک مسلمان ہونے کے ناطے اپنے دین کا علم رکھنے کے باوجود یہ سب زیب دیتا ہے۔کیا ہم میں اتنی بھی ہمت نہیں رہی کہ خود کو ان چھوٹے مگر کبیرہ گناہوں سے بچا کر اپنی آخرت سنوار لیں۔

ہم مسلمان ہیں اور ہم میں اتنی ہمت ہے کہ ہم صراطِ مستقیم پر چل کر خود کو جہنم کی تپتی آگ سے بچا لیں۔لہٰذا آج اس لیکچر میں آپ میں سے کتنے لوگ یہ عہد کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ ان سائٹس پر جا کر خود کو آنکھ کے زنا جیسے

صریح گناہ اور دیگر ایسے افعال سے بچائیں گے۔

تقریباً سب ہی نے یک زبان ہو کر ''ان شاء اللہ ہم'' کا نعرہ بلند کیا تھا اور ساتھ ہی ہاتھ کھڑے ہوئے تھے۔ دائنہ کو صرف چند ایک لڑکوں کے سر نظر آ رہے تھے جو اگلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے باقیوں کی آواز سے ہی اندازہ ہوا کہ مجمع کافی بڑا تھا اور اسی عہد کو لے کر انہوں نے اپنے لیکچر کا اختتام کر دیا تھا اور آخر پر کالج کے پرنسپل نے ان مذہبی اسکالر کو سر اسید درانی کہہ کر شکریہ ادا کیا تھا کہ جنہوں نے اتنے خوبصورت انداز میں بیش قیمت معلومات ان سب تک بہم پہنچائی تھیں۔

یہی وہ پہلا لیکچر تھا جسے سن کا اطیب لغاری مسمرائز ہوا تھا اور آج اتنے سال بعد دائنہ اکرام بھی اسی لیکچر کو سن کر مسمرائز ہوئی تھی۔

اینڈ پر اسید درانی کا نام سن کر اس کا شک یقین میں بدل چکا تھا۔

''اطیب لغاری واقعی بدل گیا ہوگا۔''

اطیب لغاری سے اس کی نفرت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ وہ جب اس کے بارے میں سوچتی یا پھر کسی سے اس کی بات سنتی تو پہلے کی طرح بدظن نہیں ہوتی تھی بلکہ اب اس کی کوشش ہوتی تھی کہ جب بھی پاکستان میں بات ہو تو وہ وہیں آس پاس ہوتا کہ سب کے ساتھ اسے اطیب لغاری کے بارے میں کچھ سننے کو مل سکے۔ ہاں لیکن اسے اب بھی اطیب لغاری سے ایک شکوہ تھا کہ اگر اسے سب یاد تھا تو اس نے راستہ بدلنے پر بھی کبھی اس سے ایکسکیوز کیوں نہیں کیا تھا۔

وہ تو کیا باقی گھر والے بھی جان نہیں پائے تھے کہ اطیب لغاری نے اپنی کم عمری کی اس ایک غلط حرکت پر گیارہ سال کی بن باس سزا کاٹی تھی جواب بھی ختم نہیں ہو پائی تھی۔

وہ تیئس سال کی تھی جب ممی، بابا پاکستان گئے تھے اور وہاں سے واپس آ کر ممی نے خالہ کو اطیب کی بہت سی خصوصیات بتائی تھیں۔ وہ وہیں ان کے پاس ہی دراز سب سن رہی تھی لیکن اسے یہ سب سن کر اب کی بار ایک جیلسی محسوس ہوئی تھی جو اس کے ساتھ اتنا برا سلوک کر کے بھی سب کی نظروں میں بہت اچھا ہی تھا۔ ہونہہ۔ اس

نے ناک پھلا کر سر جھٹک دیا تھا۔

اور پھر کچھ ہی عرصے بعد اسے ماں کی زبانی خبر ملی تھی کہ اطیب لغاری پورے کا پورا ہی اس پر مسلط ہونے جا رہا تھا۔ وہ اس خبر پر شاکڈ تھی لیکن چاہ کر بھی اسے خود پر مسلط ہونے سے روک نہیں پائی تھی اور وہ ایک خوبصورت رشتے میں بندھ کر اس زندگی میں ہمیشہ کے لیے شامل ہو گیا تھا۔

......

پھر یوں ہوا کہ ایک دوسرے کو تکتے رہے یونہی
وہ اندازِ بیاں سے قاصر، میں لفظِ ابتداء سے عاجز

کالی آنکھوں میں دکھ تھا، شکوہ تھا اور بھوری آنکھوں میں شرمندگی تھی، معافی کی طلب تھی۔

''کیا کہتے ہو تم اطیب؟'' مکرم لغاری کی آواز پر دونوں کا سکوت ٹوٹا تھا۔

''ہوں...... ہاں...... جی۔'' وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

''یہ کیسا جواب ہے۔'' انہوں نے بیٹے کے جواب پر اس کی غائب دماغی محسوس کرتے ہوئے تیوری چڑھائی۔

دائنہ نے چائے کا آخری سپ لیا اور کپ سمیٹ ٹرے اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی۔

''میرا مطلب تھا جی۔'' اطیب نے باپ کی کڑی نظروں سے خائف ہوتے ہوئے جلدی سے وضاحت کی۔

''شافیہ (دائنہ کی خالہ) اور بچے ابھی اگلے ویک تک یہیں ہیں۔ تمہارے چچا لوگ بھی ساتھ ہی واپس جائیں گے اس لیے بچوں کو پورے لاہور کی سیر کروانا تمہاری ڈیوٹی ہے۔ ابھی آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں اور ہاں ان کے جانے کے بعد دائنہ کے ساتھ پلاننگ کرو اور جہاں وہ گھومنے پھرنے جانا چاہتی ہے اسے وہیں لے کر جاؤ۔ ناؤ اِٹس یوٗر رسپونسیبلیٹی ٹو میک ہر ہیپی۔ اور تمہاری بھلائی بھی اسی میں ہے کہ دائنہ تمہارے ساتھ خوش رہے۔ اگر مجھے پتہ چلا کہ تم اسے خوش رکھنے میں کامیاب نہیں ہو پائے تو تم جانتے ہو مجھے کہ مکرم لغاری اپنی بیٹیوں کی آنکھ میں ایک آنسو بھی برداشت نہیں کرتا۔'' وہ کڑے انداز میں اسے باور کرواتے

وہاں سے چلے گئے۔

''آپ کی بیٹی کے آنسو کم ازکم اب آپ کے بیٹے کی وجہ سے نہیں نکل پائیں گے۔'' وہ صوفے کی پشت سے سرٹکاتا اپنی سوچ پر ہولے سے ہنس دیا۔

''اب دکھا بھی دو دانی، اطیب بھائی نے تمہیں منہ دکھائی میں کیا گفٹ دیا یا پھر منہ دکھائی کی رسم تم لوگوں نے کی ہی نہیں۔'' وہ دائنہ کی ٹال مٹول پر مشکوک سی اسے دیکھتی پوچھ رہی تھی۔

''کہا تو ہے کہ انہوں نے رنگ دی تھی۔ مجھے نہیں مل رہی پتہ نہیں کہاں رکھ دی میں نے۔ اور تم نے کبھی کوئی رنگ نہیں دیکھی کیا جو مرے جا رہی ہو رنگ دیکھنے کو۔'' دائنہ نے جھوٹ بولتے ہوئے الٹا اسی کو لتاڑ دیا۔

''مجھے گھمانا اتنا آسان نہیں ہے دائنہ بی بی تم اچھے سے جانتی ہو مجھے۔ یہ رنگ کوئی عام رنگ نہیں تھی جو گم گئی تم سے۔ ہونہہ۔ ارے بھئی تمہارے ہزبینڈ کا پہلا گفٹ تھا تمہارے لیے سوالٹس اسپیشل۔ اینڈ ایم شیور کہ نہ تم نے منہ دکھائی کا کچھ مانگا ہوگا اور نہ اطیب بھائی نے کچھ دیا۔ یو نو تم دونوں ہی ایک نمبر کے فضول ترین انسان ہو۔'' علینہ اس کی ٹال مٹول پر سخت بدمزا ہو چکی تھی اس لیے مزید رگیدنے کی کوشش ترک کرتی صوفے پر دھپ سے بیٹھ گئی۔

دائنہ نے چور نظروں سے علینہ کے خفگی بھرے چہرے کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی وہ ناراض ہو چکی ہے اس کے جھوٹ بولنے پر نہیں بلکہ ان دونوں کے اس رسم کو نہ کرنے پر...... حد ہے ویسے۔ اس نے ناک کو ٹیڑھا کیا اور میگزین منہ کے سامنے کر لیا۔

چند منٹ کی خاموشی وہ بھی علینہ کی موجودگی میں کچھ ہضم نہیں ہو رہی تھی دائنہ کو اس لیے میگزین سائیڈ پر رکھا اور بیڈ سے ٹانگیں لٹکا کر سامنے بیٹھی خفا خفا سہیلی+کزن+آدھی بھابھی کو دیکھا۔

''وہ میں ان کے آنے سے پہلے سو گئی تھی اور پھر...... پھر پتہ نہیں وہ کب آئے۔'' اس کے انگلیاں چٹخاتے ہوئے معصومیت سے کہنے پر علینہ کا دل چاہا پاس پڑا گلاس اس کے سر میں دے مارے۔ یعنی کہ حد ہے میں نے اتنی محنت سے کمرے کو ڈیکوریٹ کیا کہ خشک سے خشک بندہ بھی پٹڑی سے اتر ہی جائے اور ان دونوں پر کوئی اثر

ہی نہیں ہوا۔ وہ دانت کچکچا کے رہ گئی۔

"جب تم دونوں کو خود ہی ایک دوسرے میں انٹرسٹ نہیں ہے تو میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ دونوں۔" وہ غصے سے پاؤں پٹختی کمرے سے نکل گئی۔

"اف! ایک تو یہ علینہ اور اس کی رومینٹک طبیعت، اف جاذب بھائی، اف کیا بنے گا آپ کا۔" وہ ہولے سے دہائی دیتی خود ہی ہنس دی۔

***

کل ان سب کی لندن کی واپسی تھی اور پورا ہفتہ سب نے مل کر خوب انجوائے کیا تھا۔ اطیب لغاری تھا تو خاموش طبع ہی پر اس نے باپ کے حکم کے مطابق لاہور کا چپہ چپہ گھما دیا تھا انہیں۔ تانیہ اور علینہ پیکنگ کر رہی تھیں اور دائنہ بیڈ پر بیٹھی وقفے وقفے سے برسات شروع کر دیتی تھی۔ اب بھی وہ روتی ہوئی بار بار دوپٹے سے آنکھیں پونچھ رہی تھی جب اکرام کمرے میں آ کر اس کے ساتھ بیٹھے۔

باپ کو دیکھتے ہی اس کی ہچکی بندھ گئی۔ انہوں نے مسکرا کر اسے بازو کے حصار میں لیا۔

"میرا بچہ تو بہت بہادر ہے پھر یہ آنسو کیوں۔" انہوں نے پیار سے اس کے آنسو صاف کیے اب بتائے میرا بچہ رو کیوں رہا تھا۔۔

"بابا! آپ لوگ پاکستان میں شفٹ ہو جائیں ناں۔" وہ سوں سوں کرتی ناک کو رگڑ کر بولی۔

"بیٹا جی! ایک دم سے تو شفٹ نہیں ہو سکتے ہیں ناں۔ میرا اور ارسلان (علینہ کے فادر) کا بزنس ہے وہاں۔ جاذب کی سپیشلائزیشن کمپلیٹ ہونے میں ڈیڑھ سال باقی ہے اس لیے کچھ وقت تو لگے گا ناں سب کچھ وائنڈ اپ کرنے میں اور ویسے بھی تم کون سا یہاں اجنبیوں میں ہو سویٹ ہارٹ۔ میں جانتا ہوں مکرم بھائی ہم سے بھی زیادہ پیار کرتے ہیں ہماری بیٹی سے۔" انہوں نے محبت سے بیٹی کو پچکارتے ہوئے ماتھے پر بوسہ لیا۔

"آتے جاتے رہیں گے ناں ہم اور ویسے بھی اب تم آؤ گی وہاں اطیب کے ساتھ اور ہم سب تم لوگوں کا انتظار کریں گے۔ ہوں؟"

اس نے باپ کے پوچھنے پر اثبات میں سر ہلایا۔

''بابا! جب جاذب بھائی کی سپیشلائزیشن کمپلیٹ ہو جائے گی تو وہ وہاں جاب نہیں کریں گے بلکہ یہاں پاکستان میں اپنا ہوسپٹل بنائیں گے کیونکہ یہاں کے لوگوں کو ان کی زیادہ ضرورت ہے۔'' بیٹی کی سمجھداری پر اکرام لغاری نے مسکراتے ہوئے اس کے ماتھے کا ایک اور بوسہ لیا۔

''ارے بھئی ہماری بیٹی تو بہت سمجھداری کی باتیں کرنے لگی ہے۔ مطلب اب سچ میں بڑی ہو گئی ہے۔'' ان کے شرارتی انداز پر دائنہ نے جھینپتے ہوئے ان کے کندھے پر ہاتھ مارا اور ان کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

''اگر آپ دونوں کا ایموشنل سین ختم ہو گیا ہو تو بندی کچھ عرض کرے۔'' علینہ کب سے خاموشی سے پیکنگ میں بزی تھی۔ اب مزید چپ رہنا محال تھا اسی لیے بول پڑی۔

''بالکل بھئی کیوں نہیں۔'' اکرام لغاری نے اس کے انداز پر ہنستے ہوئے کہا۔

''میں سوچ رہی ہوں کل ہم لوگ جا رہے ہیں اس لیے آج کا دن رونے دھونے میں ضائع کرنے کی بجائے کوئی اچھی سی پلاننگ کر لی جائے۔'' اس نے آنکھوں کے بنٹے گول گول گھما کر کہا۔

''مطلب کیسی پلاننگ؟'' دائنہ جھٹ سے سیدھی ہوئی۔

''مطلب، شام میں کہیں گھومنے چلتے ہیں ناں اور آج کا ڈنر بھی باہر...... کیسا؟'' اس نے ایکسائیٹڈ ہو کر آئیڈیا پیش کیا۔

''آئیڈیا برا نہیں ہے۔'' اکرام لغاری نے سر ہلاتے ہوئے رضامندی دی۔

''آپ کیا کہتی ہیں بیگم۔'' انہوں نے پاس ہی پیکنگ کرتی تانیہ کو مخاطب کیا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔'' انہوں نے بھی مسکرا کر رضامندی دی۔

یوں علینہ کے پیش کردہ آئیڈیئے پر سب ایک اور خوشگوار شام گزار کر لندن واپس چلے گئے۔

......

ان دونوں کا سامنا دن میں کئی دفعہ ہوتا تھا لیکن ایک دوسرے کو دیکھ کر یوں اگنور کرتے جیسے جانتے ہی نہ ہوں۔ اتنے دنوں میں دائنہ اس کی روٹین سے بخوبی آگاہ ہو چکی تھی۔ اطیب لغاری کی وجیہہ شخصیت کے بہت سے خوبصورت پہلوؤں کو جان کر وہ اکثر خود پر فخر کرتی تھی کہ جس کی زندگی میں اللہ رب العزت نے اتنا پیارا

شخص لکھ دیا تھا۔ کیا تھا اگر ماضی میں اس سے غلطی ہوئی تھی لیکن اس کی توبہ نے اسے اتنے شاندار انسان میں بھی توڈھال دیا تھا۔

وہ اس سے متاثر ضرور ہو چکی تھی لیکن اس کا شکوہ آج بھی اپنی جگہ قائم تھا۔ وہ اتنے دن سے اس کے ساتھ تھی اور اس شخص نے ایک دفعہ بھی اس سے سوری کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ جانتی تھی وہ کچھ بھی بھولا نہیں ہے لیکن اس کا اس طرح سے خود کو اگنور کرنا اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اگر وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا تو منع کر دیتا۔ یوں اس طرح بیگانگی......وہ کمرے کی بلکونی میں کھڑی اسی کو دیکھ رہی تھی جو فجر کی نماز پڑھ کر گھر کے سامنے بنے گراؤنڈ میں واک کرنے جاتا تھا۔ ان کے کمرے کی بالکونی سے پورا گراؤنڈ نظر آتا تھا اور دائنہ روز اس کے جانے کے بعد وہیں کھڑی ہو کر اسے دیکھتی کچھ نہ کچھ سوچتی رہتی تھی جیسے کہ اب وہ نظریں اسی پر جمائے دماغ کو تھکا رہی تھی۔

بھاگتا بھاگتا جب وہ کسی درخت کی اوٹ میں ہو کر نظروں سے اوجھل ہو جاتا تو وہ چونک کر اسے ڈھونڈنے لگتی۔۔عجیب بیگانگی بھری اپنائیت ہوگئی تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ نامحسوس طریقے سے بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ان سے رنجش بھی ہے، اختلاف بھی ہے اور کچھ عین شین قاف بھی ہے۔

......

وہ جانتا تھا جب وہ فجر پڑھنے مسجد جاتا تھا تو وہ اس کی غیر موجودگی میں نماز ادا کر کے اس کی واپسی کا انتظار کرتی ہے۔

وہ نماز پڑھ کر واپس آتا اور کمرے سے ملحقہ اسٹڈی میں با آواز بلند قرأت کرتا تھا۔ یہ اس کی بہت پرانی روٹین تھی جب اس نے قرآن پاک حفظ کیا تھا تب کی اور اب یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ وہ کہیں بھی ہوتا نماز کے بعد یونہی اونچی آواز میں تلاوت لازماً کرتا تھا۔

وہ آگاہ تھا کہ جب وہ تلاوت کر رہا ہوتا ہے تو وہ عزیز از جان چپکے سے اسٹڈی کا دروازہ ہلکے سے کھول کر اس کی تلاوت سنتی ہے اور جب وہ تلاوت سے فارغ ہو کر اسٹڈی سے کمرے میں آتا تو وہ سر تک کمبل اوڑھے نظر آتی۔ اس کی اس حرکت پر اطیب لغاری کے لب بلاناغہ مسکرا اٹھتے تھے۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جب وہ گراؤنڈ کی روش پر جاگنگ کر رہا ہوتا ہے تو وہ پھر سے اٹھ کر بالکونی میں کھڑی ہو کر اسے دیکھتی ہے اور جب اکثر جان بوجھ کر وہ بھاگتا کسی درخت کی اوٹ میں زیادہ دیر لگا دیتا تو وہ فوراً آگے پیچھے ہو کر اس کو ڈھونڈتی تھی اور یہ منظر اسے اتنا خوبصورت لگتا تھا کہ وہ ہر تھوڑی دیر بعد کسی درخت کی اوٹ میں ہو کر اس کے ملیح چہرے کی بے چینی کو آنکھوں کے راستے دل میں اتارتا تھا۔

وہ اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہا وہ جانتا تھا۔ وہ اس سے خفا ہے وہ اس بات سے بھی آگاہ تھا۔ وہ اسے بہت جلد منا لے گا اس کا خود سے عہد تھا اور وہ مان بھی جائے گی اسے پورا یقین تھا۔

۞......۞......۞

وہ فائل پر جھکا کچھ لکھنے میں مصروف تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے رسیور کان سے لگا کر بات سنی اور اوکے کہہ کر رسیور واپس رکھ دیا۔ فائل بند کر کے ٹائم دیکھا، بابا نے اس وقت کیوں بلایا؟ وہ سوچتا ہوا آفس سے نکلا اور مکرم لغاری کے آفس کی طرف چل دیا۔

آفس کے سامنے پہنچ کر اس نے دروازہ ناک کیا اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوا۔ وہ کچھ لکھ رہے تھے۔ ایک نظر اسے دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ مکرم لغاری نے فائل بند کی اور اس کی طرف متوجہ ہوئے جو نظریں جھکائے ہوئے تھا۔

''تم جانتے ہو تمہاری شادی کو کتنے دن ہو چکے ہیں؟'' انہوں نے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے بات شروع کی۔

باپ کی بات پر اس نے نا سمجھی سے اثبات میں سر ہلایا

''کتنے؟''

''ایک ماہ چھ دن۔'' آہستگی سے بڑبڑایا۔ وہ پورا حساب رکھے ہوئے تھا۔

مکرم لغاری نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تو پھر اس ایک ماہ اور چھ دن میں کتنی دفعہ تم دائنہ کو باہر شاپنگ پر یا ڈنر پر لے کر گئے ہو؟''

اب کی بار وہ خاموش رہا۔

''جانتے ہو اذلان کی شادی کو پانچ سال ہو چکے ہیں اور وہ پھر بھی ہر ہفتے بیوی کو باہر لے کر جاتا ہے اور تم ابھی سے اکتا گئے ہو۔''

باپ کی بات پر وہ تڑپ کر سیدھا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا کہ مکرم لغاری جو اسے مزید کھری کھری سنانے کے موڈ میں تھے خاموش ہو گئے۔

''آفس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔'' اب کی باران کی آواز دھیمی تھی۔

''دائنہ کو لے کر کچھ دن کے لیے نادرن ایریاز کی طرف گھوم پھر آؤ۔ وہ پہلی دفعہ اپنے ماں باپ سے دور ہوئی ہے ایسے میں اگر ہم بھی اس کا خیال نہیں رکھیں گے تو وہ ڈس ہارٹ ہو گی اور شاید وہ ڈس ہارٹ ہے بھی؟''

انہوں نے مشکوک نظروں سے بیٹے کو دیکھا جس نے گڑبڑا کر نظریں پھیر لی تھیں۔

''اطیب! وہ میری بھتیجی ہی نہیں میری بیٹی بھی ہے اور مجھے بہت عزیز ہے۔''

وہ تو اپنے نام پر ہی اٹک گیا تھا۔ اگر باپ کی باقی بات بھی اچھے سے سن لیتا تو جان لیتا کہ انہوں نے اپنی عزیز ہستی اسے کیوں سونپ دی تھی لیکن وہ تو آج اتنے عرصے بعد باپ کے منہ سے ''اطیب'' سن کر ساکت سا ہو گیا تھا۔

''میری بات سن رہے ہو تم۔'' اس کی غائب دماغی پر وہ اونچی آواز میں بولے۔

''جی بابا میں...... میں دائنہ سے پوچھ کر آپ کو انفارم کر دیتا ہوں۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے مجھے دائنہ سے کچھ پوچھنے کے لیے تمہیں کہنا پڑے گا۔'' بیٹے کی بات پر وہ سیخ پا ہوئے۔

''نہیں بابا، ایکچولی میرا مطلب تھا کہ اس سے پوچھ کر پروگرام بنالوں گا جہاں وہ کہے گی وہیں لے جاؤں گا۔''

''ایگزیکٹلی۔ اب مجھے پھر سے یہ سب دہرانا نہ پڑے، رائٹ؟''

''جی۔'' وہ سر ہلا کر کھڑا ہوا۔ ''اب جاؤں میں؟''

''ہوں۔''

ان کے ہوں کہہ کر اجازت دینے پر وہ مڑ کر آفس سے نکل گیا۔ مکرم لغاری کچھ دیر بند دروازے کو دیکھتے

رہے اور پھر سر جھٹک کر فائل کھول لی۔

وہ عمارہ بھابھی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی جب وہ سیڑھیاں چڑھنے کی بجائے ان کی طرف آیا۔

''ارے واہ بھئی، آج تو صاحب سیدھے کمرے میں جانے کی بجائے ادھر چلے آئے ہیں۔'' عمارہ نے اسے دیکھ کر چھیڑا۔ ان کی شرارت پر وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔

''دائنہ! یہ جو مسکرا رہا ہے ناں۔'' عمارہ نے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دائنہ کو مخاطب کیا۔ ''یہ سب تمہاری وجہ سے ہے ورنہ اطیب لغاری جو عید کی عید بھی نہیں مسکراتا تھا اب تمہیں دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔''

بھابھی کی بات پر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

''آپ کو کوئی اعتراض ہے کیا۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

دائنہ اس کی خود پر ٹکی نظروں کو محسوس کرتی کنفیوز سی اس کی ٹائی کو گھور رہی تھی۔

''ارے نہ بھئی مجھے کیوں اعتراض ہوگا بھلا میں تو بہت خوش ہوں کہ دائنہ کی صحبت نے تم جیسے کھڑوس پر اچھا اثر ڈالا ورنہ تم تو مسکراتے بھی اتنی کنجوسی سے ہو جیسے ٹیکس لگنے کا خدشہ ہو۔ کیوں دائنہ۔'' عمارہ نے اسے بھی بیچ میں گھسیٹا جو ارد گرد سے بے خبر اطیب لغاری کی شرٹ کے بٹن اور ڈھیلی ہوئی ٹائی کو دیکھ رہی تھی۔

''ہوں۔ جی۔'' اس کے ناسمجھی سے فوراً زور زور سے سر ہلانے پر عمارہ نے بھرپور قہقہہ لگایا جبکہ اطیب لغاری کھل کر مسکرا دیا۔

''میں کمرے میں ہوں دائنہ! ایک کپ چائے لے آنا۔'' وہ اس کی سرخ رنگت پر اسے مزید تنگ کرتا سیڑھیاں چڑھ گیا۔ پیچھے وہ منہ کھولے اس جگہ کو دیکھ رہی تھی جہاں وہ کھڑا تھا یہ سب اس سے اطیب لغاری نے کہا تھا وہ بھی بھرپور استحقاق سے وہ شاکڈ تھی۔

عمارہ نے ہنسی روک کر اس کا کندھا ہلایا۔

''وہ جا چکا ہے دائنہ! جاؤ چائے لے کر اور پھر سے اسے دیکھ کر یوں مسمرائز مت ہو جانا۔ خوامخواہ میں شوہر

سر چڑھ جاتے ہیں جب ان کو پتہ چل جائے کہ جب وہ سامنے ہوتے ہیں تو بیوی کو ان کے سوا کچھ اور نظر ہی نہیں آتا۔" وہ شرارتی انداز میں کہتی اس کا کندھا تھپک کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دائنہ سوچ رہی تھی کہ اسے چائے لے کر جانی چاہیے یا نہیں۔

چائے نہ لے جانے کا فیصلہ کرتی وہ ٹیرس پر چلی آئی تھی۔

"میں ملازمہ ہوں جو حکم دے گیا۔ جانتی ہوں عمارہ بھابھی کے سامنے خود کو بہت اچھا شو کرنے کی کوشش۔ ہونہہ۔" وہ گرل پر مٹھی بنا کر مارتی اپنا غصہ نکال رہی تھی جب اسے دوسرا دھچکا لگا۔

"میں نے چائے لانے کا کہا تھا تم سے۔" وہ نا جانے کب اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا اس کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ اس کے بہت قریب کھڑا ہے۔

وہ تو سمجھ رہی تھی کہ عمارہ بھابھی کے سامنے اچھا ہونے کا دکھاوا کر رہا ہے پھر اب اکیلے میں کیوں۔ وہ بھی آج ہی۔ پہلے تو کبھی یاد نہیں آیا محترم کو۔ وہ خاموشی سے کڑھتی رہی۔

"دائنہ!" لہجے میں نرمی اتنی تھی کہ دل پسیج جائے مگر وہ پلٹے بنا کھڑی رہی۔

"آر یو او کے ہنی۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنے پر وہ کرنٹ کھا کر مڑی۔

"ڈونٹ کال می ہنی اینڈ ڈونٹ ٹچ می اگین۔" وہ انگلی اٹھا کر وارننگ دینے کے انداز میں غرائی۔ اس کے لہجے کے سرد پن نے اطیب لغاری کو ساکت کر دیا تھا۔ وہ دھکے کے انداز میں اس کے وجود کو پیچھے دھکیلتی پاس سے ہو کر آگے بڑھ گئی۔ وہ ابھی بھی اسی جگہ ساکت تھا۔

میری عمر بھر کا حاصل　　　اک لاحاصل ہستی

وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ آج صبح ہی عمارہ بھابھی اور نگین دونوں کے لیے کراچی عمارہ کے گھر گئی تھیں۔ اس کی نظریں سکرین پر گزرتے مناظر پر تھیں مگر دماغ کہیں اور پرواز بھر چکا تھا۔ تین دن ہو چکے تھے اس بات چیت کو اور وہ پھر سے ایک دوسرے سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ دائنہ کو رہ رہ کر اطیب پر غصہ آ رہا تھا وہ سب

کچھ بھلانے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ نواب زادہ ابھی بھی اسے ہنی سمجھ کر پچ کر رہا تھا۔ ہونہہ......سب کے معاملے میں بدل گیا ہوگا لیکن میرے معاملے میں۔ ایک جھوٹا سوری بھی نہیں بولا اس شخص نے۔ کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہو کر مجھ سے معافی مانگتا۔ ہونہہ اطیب لغاری، اب تو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم وہ وقت اپنی انا کے خول میں بند ہو کر گنوا چکے ہو اب میرے سامنے ناک سے لکیریں بھی کھینچو گے تب بھی تم کو معاف نہیں کروں گی۔ یوال مینرڈ مین۔ اس نے غصے میں ناک پھلا کر لمبی سی سانس لینا چاہی تھی جب Dior sauvage کی خوبصورت مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرا کر اندر تک جا گھسی۔ اس نے چونک کر دائیں جانب دیکھا وہ اسی صوفے پر اس کے ساتھ بیٹھا بہت فرصت سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

دائنہ نے ناگواری سے اپنے اور اس کے بیچ اتنے کم فاصلے کو دیکھا اور اٹھی ہی تھی کہ ایک جھٹکے سے واپس بیٹھی۔ ہاتھ اطیب کی گرفت میں آچکا تھا اور بیچ کا رہا سہا فاصلہ بھی مٹ گیا تھا۔ وہ اپنے بائیں ہاتھ کے ناخن اس کے ہاتھ کی پشت پر چبھوتی اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی۔

''واٹس یئور پرابلم دائنہ۔؟'' ہموار نرم لہجے میں پوچھی گئی بات نے دائنہ کو آگ لگا دی۔

''مطلب کیا ہے آپ کا۔ ہاں؟ پرابلم مجھے نہیں مسٹر پرابلم آپ کو ہے جو بہانے بہانے سے فری ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' وہ ہاتھ چھڑواتی دبی دبی آواز میں چیخی تھی۔ اطیب لغاری نے پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے اس کا دوسرا ہاتھ بھی اپنی گرفت میں لیا۔

''کیا بدتمیزی ہے؟ چھوڑیں میرے ہاتھ۔'' وہ مسکراتے لب اور مسکراتی نظروں سے اس کے خفگی سے بھرے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کہا میرے ہاتھ چھوڑیں مسٹر۔'' اس نے زوردار جھٹکے سے ایک ہاتھ آزاد کروایا اور اب دوسرا ہاتھ آزاد کروانے کی کوششوں میں جتی تھی جب اطیب نے شہادت کی انگلی سے اس کی گالوں پر آئی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔

''کیوں تنگ کر رہی ہو ہنی۔'' آواز میں نرمی کے ساتھ بھرپور توجہ بھی تھی۔

''ہنی۔'' اس نے غصیلی نظریں اطیب لغاری کے پرسکون چہرے پر گاڑیں اور ہاتھ کا مکا بنا کر اس کے سینے

پر مارا۔

''آئی ہیٹ داورڈ ہنی اینڈ آلسو دا پرسن ہو کالڈ اٹ۔'' دائنہ کی غصے سے کہی گئی بات کے جواب میں وہ کچھ بھی کہے بنا اس کی غصے سے بھری سیاہ آنکھوں میں جھانکتا رہا۔انداز میں دیدہ دلیری واضح تھی۔

''میرے ہاتھ چھوڑیں مسٹر اطیب ورنہ......''

''ورنہ؟''

''تایا ابو۔'' وہ داخلی دروازے کی جانب دیکھ کر چلائی۔اطیب کی اس طرف پشت تھی وہ دیکھ نہیں پایا تھا لیکن دائنہ کی دہائی پر اس نے فی الفور اس کے ہاتھ چھوڑے اور سیدھا ہو کر مؤدب طریقے سے بیٹھ گیا اور باپ کی کڑوی کسیلی باتیں سننے کے لیے خود کو تیار کرنے لگا۔

دائنہ ہاتھ آزاد ہوتے ہی فوراً سے دور ہٹی تھی اور اب دونوں ہاتھ ہونٹوں پر جمائے اس کے پیپے انداز کو دیکھتی اپنی ہنسی روک رہی تھی۔

باپ کی کوئی بھی آہٹ نہ پا کر اطیب نے داخلی دروازے کی طرف نگاہ اٹھائی۔وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا مطلب اسے بیوقوف بنا دیا گیا تھا۔اس نے فوراً گردن گھما کر اسے گھورا جو ہنسی روکنے کے چکر میں سرخ پڑتی جا رہی تھی۔اس کی گھوری کے جواب میں دائنہ لبوں سے ہاتھ ہٹاتی بھرپور انداز میں کھلکھلا اٹھی۔وہ چند پل اس کی کھلکھلاہٹ میں کھویا اور اگلے ہی پل وہ اٹھ کر اس کی طرف بڑھا تھا۔دائنہ نے اسے اٹھتے دیکھ کر باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔وہ لاؤنج سے نکل کر بیرونی دروازے کے پاس جا کر مڑی تھی تاکہ دیکھ سکے وہ پیچھے ہے یا نہیں۔

اسے اپنے سے کچھ ہی فاصلے پر دیکھ کر وہ یکا یک پھر سے آگے کو مڑی تھی اور اسی تیزی میں پاس پڑا شو پیس اس کا ہاتھ ٹکرانے سے زمین بوس ہوا تھا۔

''دائنہ! آر یو اوکے۔'' وہ ایک ہی جست میں اس کے پاس تھا جو اپنے ہاتھ کو پکڑے زمین پر بیٹھ چکی تھی۔

''واٹ ہیپنڈ دائنہ! لگ گیا ہے کیا۔'' وہ فکرمندی سے پوچھتا اس کے سامنے ہی گھٹنا ٹیک کر ترچھا ہو کر زمین پر بیٹھا۔

''یہ...... یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ اس کی فکر و پریشانی کو اگنور کرتی اسے پیچھے کو دھکیلتی چلائی۔

''دائنہ۔''اس نے آگے کو ہو کر دائنہ کا کندھا تھاما تھا جب مکرم لغاری کی غراہٹ پر وہ ہاتھ روتی ہوئی دائنہ کے کندھے سے ہٹا چکا تھا۔

''واٹ از دس۔'' مکرم لغاری کی آواز پھٹنے کو تھی۔

''بابا وہ......''

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ان کا ہاتھ اٹھا تھا۔ چٹاخ کی آواز پر دائنہ نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر اپنی چیخ کو بمشکل دبایا۔

''میں تمہیں وارننگ دے چکا تھا کہ اگر تمہاری وجہ سے میری بیٹی کی آنکھ میں ایک بھی آنسو آیا تو تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔''وہ اس کا کالر دبوچتے نفرت سے پر لہجے میں دھاڑے تھے۔

اتنی نفرت تھی، اتنا نخوت تھا ان کے لہجے میں کہ دائنہ سن سی ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے تایا ابو کو آج تک کسی ملازم پر چلاتے نہیں سنا تھا کجا کہ اپنے بیٹے پر چلانا۔

''میں نے بہت بڑی غلطی کر دی۔ تم اس قابل ہی نہیں تھے کہ میں تمہیں اپنی بیٹی سونپتا۔''

وہ سر جھکائے سرخ چہرہ لیے خاموشی سے باپ کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دائنہ بولنا چاہتی تھی، بتانا چاہتی تھی کہ وہ خود اپنی وجہ سے ہی گری تھی لیکن مکرم لغاری کے چٹانوں سے سخت چہرے کو دیکھ کر وہ صرف جھرجھری ہی لے سکی۔

''ناؤ گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔''ان کے سرد الفاظ پر وہ یونہی سر جھکا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی مکرم لغاری دائنہ کی طرف جھکے تھے۔

''آر یو او کے دائنہ بیٹا۔''ان کا لہجہ بدل چکا تھا آواز میں نرمی، فکر اور محبت واضح تھی یعنی اتنی نفرت صرف بیٹے کے لیے تھی۔ باقی سب کے لیے وہ ویسے ہی تھے جیسے دائنہ نے انہیں ہمیشہ سے دیکھا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں تایا ابو۔'' وہ ان کا پھیلا ہوا ہاتھ تھام کر کھڑی ہوئی۔

''تایا ابو! اطیب کی غلطی نہیں تھی وہ تو......''

''اس نالائق کو ڈفینڈ مت کرو۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولے۔

’’وہ نالائق نہیں ہیں تایا ابو۔‘‘اس کے فوراً سے ان کی بات کو رد کرنے پر انہوں نے حیرانگی سے اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا جو انہیں ہمیشہ سے ہی بہت عزیز تھی اور اب ان کے سامنے کھڑی ان کے بیٹے کی سائیڈ لے رہی تھی۔

’’وہ نالائق نہ سہی لیکن ایک برا انسان ضرور ہے جو میری بیٹی کی آنکھوں میں اتنے موٹے موٹے آنسو لے آیا۔‘‘ان کے پرمزاح انداز میں کی گئی بات پر بھی وہ بالکل نہیں مسکرائی تھی بلکہ بہت سنجیدگی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

’’تایا ابو! وہ نہ ہی نالائق ہیں اور نہ ہی برے ہیں وہ بہت اچھے انسان ہیں جو کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتے ہیں اور آپ کی بیٹی ان کے ساتھ بہت خوش ہے۔ انفیکٹ آئی رئیلی پراؤڈ آف ہم ہی از سچ آ گریٹ پرسن اور ابھی غلطی میری ہی تھی۔ آپ نے بلاوجہ ان کے ساتھ اتنا ہارشلی بی ہیو کیا مجھے بالکل بھی اچھا فیل نہیں ہوا کہ میری وجہ سے آپ نے ان کی انسلٹ کی ہے۔‘‘ وہ بڑی سنجیدگی سے اپنا نقطہ نظر ان پر واضح کرتی وہاں سے چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی مکرم لغاری کے سنجیدہ تاثرات ایک دم سے ڈھیلے ہو کر مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ انہیں آج بیٹے کی تعریف سن کر ہمیشہ کی طرح غصہ نہیں آیا تھا بلکہ ان کے چہرے پر ایک عجیب سی سرشاری، سکون اور فخر تھا۔ یوں جیسے وہ آج تک اسی ہستی کے منہ سے بیٹے کی تعریف سننے کے خواہاں ہوں۔

✡......✡......✡

وہ سیدھی کمرے میں آئی تھی لیکن خالی کمرے کو دیکھ کر وہ واش روم کی طرف بڑھی۔ واش روم خالی تھا اور بالکونی کا دروازہ بھی بند تھا۔ مطلب وہ اسٹڈی میں تھا۔ دائنہ اس کی موجودگی میں کبھی اس کی اسٹڈی میں نہیں گئی تھی۔ چند منٹ سوچ بچار کے بعد وہ ہچکچاتی ہوئی اس طرف گئی۔ آہستگی سے دروازہ وا کیا اور سر اندر گھسیڑ کر اسے تلاش کرنے کی کوشش کی۔

وہ ونڈو پین ہٹائے وہیں کھڑا تھا۔ اس کی اس طرف پشت تھی اس لیے وہ اس کے تاثرات دیکھ نہیں پائی تھی۔ وہ آگے جائے کہ نہ جائے عجیب سی کشمکش تھی۔ چند سیکنڈ اس کی پشت کو گھورنے کے بعد وہ پورا دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی اور بمشکل قدم گھسیٹتی اس تک پہنچی اور کچھ فاصلے پر رک گئی۔ دل میں ایک ڈر بھی تھا کہ کہیں وہ اپنا

غصہ اسی پر نہ نکال دے لیکن اب اتنی ہمت کر کے آئی تھی تو۔

''اط......اطیب۔''اس نے ڈرتے ڈرتے مخاطب کیا۔آواز میں ہچکچاہٹ نمایاں تھی۔وہ اس کی سمت پلٹے بنا اسی طرح کھڑا رہا جیسے سنا ہی نہ ہو۔

''اطیب۔''اس نے پھر سے ہمت مجتمع کی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پکارا۔وہ ٹس سے مس کھڑا رہا۔

''آئی ایم سوری۔''اس کی منمناہٹ پر وہ فوراً اس کی طرف پلٹا۔

اطیب کی سرخ رنگت اور لال انگارا آنکھوں کو دیکھ کر وہ فوراً دو قدم پیچھے ہٹی۔اس کی آنکھوں کی سرخی نے اسے بارہ سال پرانا پرنس یاد دلا دیا تھا جو اس پر جھکا انہیں آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

''سوری فار واٹ؟''اس کے چہرے کے برعکس اس کا لہجہ ہموار تھا۔کسی قسم کے دکھ، تکلیف اور غصے سے بے نیاز۔

''مم......میری وجہ سے تایا ابو نے آپ کو تھ......تھپڑ مارا۔''وہ انگلیاں چٹخاتی اٹک اٹک کر بولی۔

''یہ پہلا تھپڑ نہیں تھا دائنہ اکرام جو تمہاری وجہ سے پڑا ہاں البتہ بارہ، تیرہ سال بعد یہ پہلا تھپڑ ضرور ہے جو اتنے سالوں بعد بھی تمہاری وجہ سے ہی پڑا۔''وہ اس کے ڈرے ڈرے تاثرات پر نظریں اس کے چہرے پر ٹکائے تحمل سے بولا تھا۔

''مم......میں سوری کر رہی ہوں ناں۔''

''مجھے سوری نہیں چاہیے۔''اس کے سپاٹ الفاظ پر دائنہ نے فوراً نظریں اٹھا کر نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

''سوری نہیں چاہیے۔مطلب......؟''

اس کی آنکھوں میں امڈتے سوال کو سمجھ کر وہ دو قدم اس کی طرف بڑھا اور دونوں ہاتھ اس کے دائیں، بائیں کندھے پر جما کر اسے قریب کیا۔

''مجھے حساب چاہیے۔''

''کک......کیسا حساب۔''وہ خوفزدہ سی اس کی طرف دیکھنے کی بجائے اس کے گلے کی ابھرتی گلٹی کو دیکھنے لگی جو اس کے بات کرنے پر آگے پیچھے ہو رہی تھی۔

’’پچھلے تیرہ سال کا حساب، ان سالوں میں جھیلی ہر تکلیف اور اذیت کا حساب۔‘‘اس کی گرفت دائنہ اکرام کے کندھے پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی تھی۔ دائنہ نے بمشکل تھوک نگل کر اسے دیکھا۔

’’میں......میں کیوں دوں حساب آپ کو آپ کے تیرہ سالوں کا؟‘‘وہ اٹکی ضرور مگر آواز میں رعب بھی رکھا۔

’’کیونکہ میں نے اپنے تیرہ سال......‘‘وہ رک کر جھکا اور سر دائنہ کے سر سے ٹکا دیا۔

’’میں نے اپنے تیرہ سال میں ہر تکلیف ہر اذیت تمہاری وجہ سے جھیلی۔‘‘

وہ سانس روکے ساکت سی کھڑی تھی۔ اطیب کی سانسوں کی تپش سے اسے اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے وجود سے اٹھتی پرفیوم کی مہک اسے بری طرح ڈسٹرب کر رہی تھی۔ وہ اپنے لب کاٹتی اس کے لبوں کی حرکت کو دیکھ رہی تھی۔

’’اپنی زندگی کا پہلا تھپڑ تمہاری وجہ سے کھایا ہے، اپنے باپ کی اتنی نفرت تمہاری وجہ سے سہتا رہا ہوں، تین مہینے بیسمنٹ میں بند دن کا اجالا اور رات کی تاریکی تمہاری وجہ سے دیکھ نہیں پایا، اتنے سالوں تک گھر سے دور ادھر ادھر تمہاری وجہ سے بھٹکتا رہا ہوں اور تم کہتی ہو کیسا حساب؟‘‘

اس نے اپنے چہرے کو حرکت دی اور دائنہ کی گلابی پنکھڑیوں کو نرمی سے چھو لیا۔ اسے اطیب لغاری سے اتنی بے باکی کی امید نہیں تھی۔ وہ پیچھے ہٹنا چاہتی تھی لیکن اس کی گرفت مضبوط تھی کہ وہ کسمسا کر رہ گئی۔

’’کیوں آئی میں اس سے سوری کہنے؟‘‘اس کا دماغ اس کے دل کو مسلسل سرزنش کر رہا تھا۔

’’میرے ان تیرہ سالوں میں۔......‘وہ رک کر پھر سے بولنا شروع ہوا تھا۔’’تم مجھے کبھی نہیں بھولی ہو میری ہر یاد تم سے شروع ہو کر تم پر ختم ہوتی رہی ہے، میری ہر دعا میں بن بلائے ہی بڑے استحقاق سے تم براجمان رہی ہو اور کہتی ہو کیسا حساب؟‘‘

اب کے اس نے جھک کر اس کی ٹھوڑی کو چھوا تھا۔

’’اطیب پلیز......‘‘وہ منمنا کر خود کو چھڑوانے لگی۔

اطیب لغاری نے اس کی دھکم پیل کو نظر انداز کیا اور اسے قریب کرتے ہوئے خود میں بھینچ لیا۔

''میری زندگی میں شامل ہو کر مجھے یہ قیمتی اعزاز بخشنے کا شکریہ۔ میں ایک تو کیا ایسے کئی تھپڑ تمہاری خاطر کھانے کو تیار ہوں ہنی۔''

''پھر ہنی۔'' دائنہ جو اس کے جذبات کے سمندر میں خود کو بہتا ہوا محسوس کر رہی تھی ایکدم سے ہوش میں آئی تھی۔ وہ اس کی قید میں تھی لیکن اس کے پاؤں آزاد تھے انہی کو استعمال میں لا کر اس نے پوری طاقت سے اپنا پاؤں اطیب کے پاؤں پر مارا تھا وہ جو اپنی ہی دھن میں نجانے کیا کیا بول رہا تھا اس افتاد پر خاموش ہوا اور اسے خود سے الگ کر کے سامنے کیا۔۔

''واٹس یئور پرابلم دائنہ۔'' آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔

''پرابلم مجھے نہیں آپ کو ہے۔ کیوں بار بار مجھے ہنی کہہ کر پکار رہے ہیں۔ مجھے نفرت ہے اس لفظ سے بھی اور......''

''اور......''اس کے ایکدم سے زبان دانتوں تلے دبا کر رک جانے پر اطیب نے اسے آگے بولے پر اکسایا۔

''اور......آپ مجھے ہنی مت کہیں۔'' وہ آہستگی سے بڑبڑائی۔

''اگر پھر بھی کہوں تو کیا کرو گی تم۔''اس نے دائنہ کی کمر کے گرد بازو باندھ کر اسے پھر سے قریب کیا۔

''تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

اس کی بات پر اطیب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے اس کی غصے سے پھولی ناک کو کھینچا۔

''میں نے معافی مانگی ہی کب ہے؟'' وہ محظوظ ہو کر بولا۔

''آپ کو مانگنی چاہیے تھی آپ نے نہیں مانگی اور اب مانگیں گے بھی تو میں آپ کو معاف نہیں کروں گی۔'' کیا شاہانہ اور اٹل انداز تھا۔

''رئیلی......؟''اس کے اٹل انداز پر وہ مصنوعی حیرانگی سے بولا۔

''رئیلی۔'' وہ بھی اسی کے انداز میں بولی اور دونوں ہاتھوں کے ناخن اس کے بازوؤں میں چبھوئے۔

''لیومی......ی......ی......''اس پر کچھ بھی اثر نہ ہوتا دیکھ کر وہ چیخی۔

I can't leave you Daina, you are my life

اس نے جھک کر لب اس کے بالوں پر رکھے۔

And I don't want to stay alive with out you..don'twant…!

یہ......یہ شخص جادوگر ہے۔ وہ پھر سے اس کے نرم گرم حصار میں گھری اس کے جذبات سے پر لہجے میں سر تا پا دھنستی جارہی تھی۔

I am sorry for your every tear that came in your eyes because of me,

اس نے دائنہ کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر سامنے کیا۔

I am sorry for your alltroubles that makes your life perdition,

اس نے جھک کر اس کے ماتھے کو چوما۔

I am sorry for each & every thing Daina,

I...am...sorry..y..y

اس نے بہت محبت اور مان سے دائنہ کے وجود کو اپنی قیمتی متاع کی طرح خود میں سمو لیا۔

وہ میری سوچ پہ چھایا تو روشنی کی طرح
وہ میری روح میں اترا تو جان بن کر رہا

⁂......⁂......⁂

بالکونی سے کمرے اور کمرے سے بالکونی تک وہ تقریباً دس سے بارہ چکر لگا چکی تھی مگر صاحب بہادر یوں گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے جیسے لاہور سے کاغان تک کا سفر پیدل چل کر آئے ہوں۔ مزید دو چکر لگا کر اس کی برداشت جواب دے گئی اور وہ کڑھتی ہوئی بیڈ کے قریب آئی۔

''اطیب! اٹھ جائیں اب صبح کب کی ہو چکی ہے۔'' وہ اس کے سرہانے کھڑی ہو کر پوری طاقت سے چلا کر

بولی تھی۔اتنی بلند آواز پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔اس نے جھک کر اس کے منہ سے کمبل ہٹایا وہ واقعی نیند میں تھا۔دائنہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پکارا۔

"پلیز اطیب اٹھ جائیں یہاں سونے آئے ہیں کیا؟"

"ہنی پلیز سونے دو یار۔" وہ پچکار کر کہتا کروٹ بدل گیا۔

وہ جو اس کی آدھ کھلی آنکھیں دیکھ کر خوش ہوئی کہ چلو اٹھ گیا ہے اس کے کروٹ بدل کر پھر آنکھیں موند لینے پر سخت بدمزا ہوئی۔اس نے جھک کر مٹھی میں اطیب کے بال جکڑے اور ایک زوردار جھٹکا دے کر فوراً پیچھے ہٹی۔ اطیب نے اس افتاد پر نیند سے بوجھل آنکھیں کھول کر اسے گھورا۔

"یہ مجھے ہنی کہنے کی سزا تھی۔" وہ مسکرا کر کہتی مزید دور ہوئی۔

"اب اٹھ جائیں، پلیز بریک فاسٹ کا وقت تو گزر گیا میں لنچ کا آرڈر دے رہی ہوں پھر باہر چلتے ہیں۔"

"ارے یار کل ہی تو آئے ہیں۔آج کا دن تو ریسٹ کرنے دو کل جہاں کہو گی لے جاؤں گا۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائی لیتا بولا۔

"آپ کل چلے جایئے گا۔میں تو آج ہی جاؤں گی اور اگر میں اکیلی گئی تو واپسی کا راستہ بھول جاؤں گی اور جب راستہ بھول گئی تو گم ہو جاؤں گی اور میرے گم ہو جانے پر تایا ابو جو سلوک آپ کے ساتھ کریں گے ناں اس سے میرے دل میں ٹھنڈ پڑے گی۔" وہ بانہیں پھیلا کر دل میں پڑنے والی ٹھنڈک محسوس کرتی دھڑام سے صوفے پر گری۔

"بہت چالاک ہوتی جا رہی ہو۔"

"یہ سب آپ کی صحبت کا اثر ہے جناب لیکن جتنی بھی چالاک ہو جاؤں پھر بھی آپ سے کم ہی ہوں گی۔اب اٹھ بھی جائیں۔"

"اٹھ رہا ہوں۔" اس نے جھنجھلا کر کمبل ہٹایا اور پاؤں چپل میں اڑستا واش روم چلا گیا۔ پندرہ، بیس منٹ بعد وہ فریش ہو کر واپس آیا تو محترمہ نہ صرف کھانا منگوا چکی تھیں بلکہ کھانا شروع بھی کر چکی تھیں۔اس نے ٹاول اسٹینڈ پر لٹکایا اور اس کے ساتھ ہی صوفے پر آ بیٹھا۔

"بندہ کسی کا انتظار ہی کر لیتا ہے۔"

"بندہ وقت سے ہی اٹھ جاتا ہے۔" وہ لقمہ منہ میں رکھتی دو بدو بولی تھی۔

"اچھا مجھے بھی نکال دو کھانا۔"

"اوہ۔میں نے آج تک کسی کو کھانا نکال کر نہیں دیا ہے۔خود نکالیں۔"

"میں کسی کے لیے نہیں اپنے لیے نکالنے کا کہہ رہا ہوں۔"

"میں ایسے چونچلے نہیں اٹھاتی۔آئی ایم سوری۔"

"میرے بھی ایسے چونچلے کسی نے نہیں اٹھائے تمہاری وجہ سے۔"

"اوہو۔یعنی آپ کی لائف میں جو کچھ بھی ہوا یا ہوگا اس سب کی وجہ میں ہی ہوں گی۔"

"اکیزیکٹلی۔تمہاری وجہ سے ہی بارہ، تیرہ سال پہلے میری زندگی میں یوم سیاہ آیا تھا۔"

"میری وجہ سے......"اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاس واپس میز پر پٹخا اور اس کی طرف مڑ کر انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں تمہاری وجہ سے۔"اطیب نے پوری دھن سے ہاں میں سر ہلایا۔

"مطلب، میں نے آپ سے کہا تھا ویسی گھٹیا حرکت کرنے کو۔"اس کی آنکھیں صدمے سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

"ہاں، نہ تم مجھے اتنی خوبصورت اور پیاری لگتی اور نہ میں کچھ ایسا ویسا سوچتا۔" وہ دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتا صوفے سے ٹیک لگا کر ریلیکس ہو کر بیٹھا۔

"واٹ ایور۔"اس نے منہ مروڑ کر اطیب کے گھٹنے پر مکا مارا۔

"میں ماضی کو بھول چکی ہوں۔"

"انسان کو اپنا ماضی کبھی نہیں بھولتا۔"

"بھولتا نہیں لیکن میں یاد بھی نہیں کرنا چاہتی۔"

"کہتے ہیں پیچھے مڑ کر دیکھنے سے انسان کو اپنی اوقات یاد رہتی ہے۔" وہ ناصحانہ انداز میں بولا۔

"تو پھر آپ اپنی اوقات یاد رکھیں میرا ماضی الحمدللہ کلیئر ہے۔" اس نے اطیب کو چڑا کر کہا اور اپنی پلیٹ اس کے سامنے کھسکائی۔

"میں کھا چکی ہوں یہ آپ کھالیں۔" اس نے پلیٹ میں موجود بچے ہوئے سالن کی طرف اشارہ کیا اور ٹشو سے ہونٹ تھپتھپاتی اٹھ گئی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔"

اطیب کی آواز پر اس نے ٹشو چروڑ مروڑ کر ڈسٹ بین میں پھینکا اور اس کی طرف پلٹی۔

"کون سی بدتمیزی۔"

"میں یہ تمہارا جھوٹھا کھانا کھاؤں گا۔"

"ہاں۔آپ نے سنا نہیں کہتے ہیں جھوٹھا کھانے سے محبت بڑھتی ہے۔" وہ اسی کی طرح ناصحانہ انداز میں کہتی مسکراہٹ دبا کر بریف کیس کی طرف گئی۔

"میں آلریڈی تم سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں پھر اس بات کا مقصد۔" وہ بھنویں اچکائے اسے ہی گھور رہا تھا جواب بریف کیس سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔

"میرے سامنے بڑی باتیں آتی ہیں آپ کو اور تایا ابو کے سامنے یوں مؤدب بنتے ہیں جیسے آپ سے زیادہ شریف کوئی ہے ہی نہیں۔ میں چینج کرنے جا رہی ہوں۔ میرے آنے تک کھانا فنش کرلیں۔"

اطیب بنا پلکیں جھپکائے اسی کو گھورے جا رہا تھا۔ وہ واش روم کے دروازے کے پاس جا کر پلٹی۔

"ویسے جب آپ تایا ابو کے سامنے بھیگی بلی بن کر بیٹھے ہوتے ہیں ناں سچ میں بہت کیوٹ لگتے ہیں۔

I realy that's lover look"۔

اس نے بائیں آنکھ دبا کر پھونک سے اس کی طرف ہوائی کس اچھالی اور چھپاک سے واش روم کے دروازے کے پار غائب ہوگئی۔

اطیب نے لب سکیڑ کر فوراً امڈ آنے والی مسکراہٹ دبائی اور دائنہ کی پلیٹ سامنے کی۔

"جھوٹھا کھانے سے محبت بڑھتی ہے چلو یہ تجربہ بھی کر لیتے ہیں۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے چپاتی کا لقمہ

توڑا اور بہت رغبت سے کھانا کھانے لگا۔

⁂......⁂......⁂

"علینہ آئی کانٹ ایکسپلین، پاکستان بہت...... بہت زیادہ خوبصورت ہے۔" وہ بالکونی میں گرل سے ٹیک لگائے ایکسائیٹڈ سی بولی تھی۔

"ہاں، تمہاری چہکتی آواز بتا رہی ہے کہ پاکستان اور پاکستانی لوگ تمہیں بہت راس آگئے ہیں۔" دوسری طرف علینہ مسکرا کر بولی۔

"یہ تو ہے۔" وہ انگلی پر لٹ لپیٹتی مسکرائی۔

"اطیب بھائی بہت اچھے ہزبینڈ ثابت ہوئے ہیں جنہوں نے کم از کم تم جیسی بیزار لڑکی کو محبت کرنا سکھا دیا ہے۔"

"ہاں علینہ! اطیب واقعی بہت اچھے ہیں اینڈ آئی ریئلی فیل پراؤڈ کہ وہ مجھے ملے" اس کے چہرے پر اطیب کے نام پر بہت سے خوبصورت رنگ بکھر چکے تھے۔

"چلو شکر ہے دانی! تم میں رومینس کے جراثیم پیدا ہونے تو شروع ہوئے ورنہ مجھے تو خطرہ تھا کہ مجھے کوئی ممانی پکارنے والا بھی اس دنیا میں آئے گا یا نہیں۔" علینہ نے قہقہہ لگا کر خود ہی اپنی بات کا مزا لیا۔

"بہت بدتمیز ہو علینہ۔" وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"اوہو۔ دائنہ بی بی شرما رہی ہیں۔" علینہ اس کی منمناہٹ پر شرارت سے بولی۔

"اچھا بس کرو تم اور ممی سے بات کروا دو میری۔ ان کا سیل بند جا رہا ہے۔ دو، تین دفعہ ٹرائی کیا ہے۔"

"ہاں میں کرواتی ہوں۔ تم اور بتاؤ اطیب بھائی نے کہاں کہاں گھمایا تمہیں۔"

علینہ کے پوچھنے پر دائنہ نے ایک ایک چیز ایک ایک جگہ کی پوری منظر کشی کی اور اسے آفر دی کہ جب وہ آئے گی تو وہ اسے خوب سیر سپاٹے کروائے گی۔

"یہ لو بات کرو خالہ سے۔" وہ بات کرنے کے دوران تانیہ کے پورشن کی طرف آگئی تھی۔ دونوں گھر ساتھ ساتھ بنے تھے۔ گیٹ بھی اکٹھا تھا مگر رہائشی حصے علیحدہ علیحدہ تھے۔

"خالہ آپ کی بیٹی ہے۔" اس نے تانیہ سے گلاس پکڑ کر ٹیبل پر رکھا اور سیل انہیں تھمایا۔انہوں نے مسکرا کر سیل کان سے لگایا۔

"ہاں دائنہ بیٹا۔ بولو۔"

"ممی! فون کیوں بند ہے آپ کا۔" وہ چھوٹتے ہی بولی۔

"ارے بیٹری ڈیڈ ہوگئی ہوگی۔" وہ اس کی بے چینی پر مسکرائیں۔

"تو چارجنگ پوری رکھا کریں ناں آپ کو پتا تو ہے مجھے آپ سے بات کرنی ہوتی ہے۔"

"دن میں دس دفعہ بات کرتی ہو اور پیٹ پھر بھی نہیں بھرتا تمہارا، اطیب کیا سوچتا ہوگا؟"

"اوہ ممی! اطیب کچھ نہیں سوچتے بلکہ ہر تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھے خود یاد کرواتے ہیں کہ آپ کو فون کرلوں۔"

اس کی بات پر تانیہ بے ساختہ ہنسی۔

"ارے بیوقوف وہ تمہارا مذاق اڑاتا ہوگا۔"

"اوہ جانے دیں ممی میرا مذاق اڑا کر انہوں نے گنجا نہیں ہونا۔"

"اوہو بدتمیز لڑکی، شوہر کے بال کھینچتی ہو۔" وہ مصنوعی غصے سے بولیں۔

"ہاہاہا۔" ماں کی بات پر اس نے بھرپور قہقہہ مارا۔ "ممی آپ کتنی انٹیلی جینٹ ہیں میرے معاملے میں لیکن بے فکر رہیں میں آپ کے داماد کے بال غصے میں بھی بہت پیار سے ہی کھینچتی ہوں کہ کہیں سچ میں گنجے ہو گئے تو کیسے لگیں گے۔" اس نے تصور میں گنجے اطیب کو دیکھ کر جھرجھری لی اور پیٹ پر ہاتھ رکھ کر دوہری ہوتی تانیہ کی ہنسی میں شامل ہوگئی۔

⁂......⁂......⁂

"اف! کتنی ٹھنڈ ہے یہاں۔" دائنہ اپنا ہاتھ اطیب کے لونگ کوٹ کی پاکٹ میں مزید نیچے گھسا کر ٹھٹھر کر بولی تھی۔

"تمہیں کچھ زیادہ ہی لگ رہی ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔ دائنہ کے ہاتھ اپنی پاکٹ میں ہونے کی وجہ سے اسے چلنے میں مشکل ہو رہی تھی جبکہ دائنہ بی بی کو شکایت تھی کہ وہ اپنا کوٹ زیادہ گرم لے کر آیا ہے اور اس کا کم۔

''آپ نے چیٹنگ جو کی ہے، میرا کوٹ بھی اچھی کوالٹی کا لے لیتے تو کون سا غریب ہو جاتے۔''

''تم ایسا کرو میرا کوٹ پہن لو۔'' وہ دائنہ کی بات پر بیچ راستے میں رکا۔

''ہاں تا کہ مجھے میلز کوٹ میں دیکھ کر لوگ ہنسیں۔''

''لوگوں کا کام ہی ہنسنا ہے اور وہ اب بھی تمہارے ہاتھ میری پاکٹ میں دیکھ کر ہنس ہی رہی ہیں۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''اوہو! تو یوں کہیں آپ کو میری وجہ سے سبکی فیل ہو رہی ہے۔'' اس نے خفگی سے کہہ کر اپنے ہاتھ نکالے۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا ہنی۔''

''آئی ہیٹ یو دا مین۔'' وہ دانت پیس کر کہتی آگے بڑھ گئی۔

''ایک تو یہ ہنی ہر دفعہ مروا دیتا ہے مجھے، شی ہیٹس یو دا ڈیٹ مین۔'' وہ خود کو سرزنش کرتا اپنی رفتار تیز کر کے اس تک پہنچا۔

''ٹھنڈ واقعی کافی ہو گئی ہے۔'' اس نے دائنہ کے برابر آ کر اس کے خفا چہرے اور سردی سے سرخ ہوتی ناک کو دیکھ کر کہا۔ وہ خاموشی سے چلتی رہی۔

''سوری سویٹ ہارٹ۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا۔

''کیا بدتمیزی ہے۔''

''بدتمیزی کروں گا ابھی اگر تم نہ مانی تو۔'' وہ شریر نظروں سے اس کی گلابی پنکھڑیوں کو دیکھتا بولا۔

''بدتمیزی مت کریں اطیب۔ یہ پبلک پلیس ہے۔'' وہ پاس سے گزرتے لوگوں کی محظوظ نظروں سے کنفیوز ہو کر دبی دبی چلائی۔

''نہیں کرتا یار ایک سمائل تو دو۔'' اس کے معصومیت سے فوراً مان جانے پر وہ بے ساختہ مسکرا اٹھی۔

''دیٹس گریٹ۔ چلو تمہیں اس ٹھنڈ میں گرما گرم کافی پلواتا ہوں۔'' وہ مسکراتا ہوا اس کے برابر آیا اور دائنہ کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی بچی کی آواز آئی۔

''رکو صاب۔''

اطیب نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ بچی ہاتھ سے اسی کو رکنے کا اشارہ کرتی بھاگتی آ رہی تھی۔ وہ پاس آ کر رکی۔ سانس پھولا ہوا تھا۔

''واٹ ہیپنڈ بیٹا۔'' اطیب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا۔

''صاب۔ یہ...... یہ لے لو۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑے دو لفافوں کو آگے کیا جن میں ریوڑیاں تھیں۔

''بس دو ہی رہ گیا ہے۔ تم لے لو ورنہ ہم کو ان دو لفافوں کے واسطے شام تک بازار میں رکنا پڑے گا۔ اللہ تم کو اور تمہاری بیوی کو لڑکا دے۔''

بچی کی دعا اور دعا دینے کے انداز پر وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے ہی گھٹنوں کے بل بیٹھا۔

''بیٹا! مجھے لڑکا نہیں لڑکی چاہیے بالکل تمہارے جیسی چھوٹی سی اور میری بیوی کے جیسی خوبصورت۔'' اس نے آنکھ دبا کر پیچھے کھڑی دائنہ کو دیکھا جو سینے پر بازو لپیٹے ان دونوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''ہاں ہاں صاب، اللہ تم کو لڑکی دے تمہارا بیوی کے جیسا خوبصورت اور پیارا۔'' بچی نے فوراً سے دعا میں ردوبدل کیا۔ اطیب نے مسکرا کر جیب سے والٹ نکال کر ہزار کا نوٹ اسے پکڑایا۔

''یہ بہت زادہ (زیادہ) ہے صاب۔'' بچی نوٹ دیکھ کر ہچکچائی۔

''کچھ نہیں ہوتا بیٹا۔ رکھ لو اور دل سے دعا مانگنا کہ اللہ مجھے لڑکی دے۔''

''ٹھیک ہے صاب یہ لے لو۔'' اس نے لفافے اطیب کو تھمائے اور واپس بھاگ گئی۔ اطیب نے مسکراتے ہوئے بچی کو دور تک جاتے دیکھا اور اٹھ کر دائنہ کی طرف مڑا۔ وہ چل پڑی تھی۔

''سنی تم نے بچی کی دعا۔'' اس نے برابر آ کر پوچھا۔

''میں بہری نہیں ہوں سن رہی تھی اس نے جو مانگی اور آپ نے جو منگوائی۔''

''ہاہاہا...... پھر کیسی لگی اس دعا میں چھپی میری خواہش۔'' وہ ہاتھ آپس میں رگڑتا جوش سے بولا۔ دائنہ نے ہونٹ اور ناک ایک ساتھ مروڑ کر کندھے اچکائے۔

''دائنہ میں نے سوچا ہے ہم ہماری پہلی بیٹی کا نام دعا رکھیں گے۔''

''اور اگر پہلا بیٹا ہوا تو......'' وہ چلتی چلتی اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”تو......“ اطیب نے چند سیکنڈ خاموشی سے سوچا اور بولا۔ ”پھر تم اپنی پسند سے رکھ لینا۔“

”مطلب اگر بیٹا ہوا تو آپ کو کوئی انٹرسٹ نہیں ہوگا۔“

”انٹرسٹ کیوں نہیں ہوگا بھئی تمہیں نام رکھنے کا فری ہینڈ دے دیا تو مطلب مجھے اپنی اولاد میں انٹرسٹ ہی نہیں۔“ وہ ماتھے کی تیوری چڑھا کر بڑبڑایا۔

”ایک جنرل بات کی ہے آپ تو پیچھے ہی پڑ گئے۔“ وہ منہ بسور کر کہتی کیفے کی سیڑھیاں پھلانگ گئی۔

”یہ لڑکی بھی کیا چیز ہے۔“ وہ اس کے پیچھے ہی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر محظوظ کن مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

ہمارے انتخاب کا معیار کچھ بھی ہو وصی
جس کو چاہیں گے بے مثال کر دیں گے

2 سال بعد

”ممی! پلیز مان جائیں ناں۔“ اس نے سیل ایک کان سے ہٹا کر دوسرے سے لگایا اور ساتھ ہی پاس پڑی پلیٹ سے انگور کا دانہ منہ میں رکھا۔

”آپ جانتی ہیں علینہ لندن میں اکیلی رہ گئی ہے اور وہ وہاں ہمیں اتنی بڑی بڑی گالیاں دیتی ہوگی روزانہ۔“

”میں جانتی ہوں دائنہ لیکن بیٹا میں چاہتی ہوں تم خیر خیریت سے فارغ ہو جاؤ پھر ہی ہم جاذب کے ریسیپشن کا فنکشن کر کے علینہ کو بھی ہمیشہ کے لیے پاکستان لے آئیں گے۔“

”الحمد للہ، میں بالکل فٹ فاٹ ہوں ممی اور ڈلیوری میں ابھی پورے چار ماہ باقی ہیں۔ ڈلیوری کے بعد آپ کہیں گی دائنہ تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے اور پھر اس سے اگلی بات یہ ہوگی کہ تم لوگوں کا بچہ تھوڑا بڑا ہو جائے وغیرہ، آپ کو پتا ہے پرسوں ہماری سیکنڈ اینورسری تھی اور جاذب بھائی کے نکاح کو تین سال ہونے والے ہیں وہ خود سے رخصتی کا نہیں کہہ رہے تو مطلب ہم بھی نہ سوچیں اس بارے میں۔“

"بس کرو دائنہ۔" وہ چڑ کر بولیں۔ "بہت بولنے لگی ہو تم۔ مجھے بھی اپنے بیٹے کی شادی کے ارمان ہیں۔ میں تو تمہاری وجہ سے کہہ رہی تھی مگر تم تو الٹا مجھے ہی سنانے لگی۔"

"اوہو ممی! میں نے ایسے ہی کہہ دیا۔"

"جانتی ہوں، ٹھیک ہے اگر تمہیں کوئی مسئلہ نہیں تو میں شافیہ اور ارسلان بھائی سے بات کرتی ہوں اور اگلے ماہ کی ہی کوئی ڈیٹ رکھ لیتے ہیں۔"

"بالکل ممی، آپ کنفرم کر کے مجھے انفارم کر دیجیئے گا۔ اطیب آ گئے ہیں میں ذرا ان کو دیکھ لوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا۔ میں فون رکھتی ہوں اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ ممی۔" اس نے مسکرا کر کال بند کی اور دوپٹہ درست کرتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ ہمیشہ اطیب کو آفس جاتے ہوئے گاڑی تک سی آف کرنے جاتی تھی اور واپسی پر بھی اس کی گاڑی کا ہارن سنتی جلدی سے نیچے چلی آتی لیکن اب اس کی کنڈیشن کے پیش نظر اطیب نے اسے سیڑھیاں چڑھنے اترنے سے سختی سے منع کر رکھا تھا اس لیے اب وہ کمرے سے نکل کر ہال میں آتی سیڑھیوں تک ضرور اسے ویلکم کرنے جاتی تھی۔ اب بھی سنبھل سنبھل کر چلتی وہ سیڑھیوں کے پاس آ کر رک گئی۔

اطیب اپنی مخصوص مسکراہٹ (جو اب ہمہ وقت اس کے چہرے پر موجود رہتی تھی) کے ساتھ اوپر آیا اور دائنہ کے سلام کا جواب دے کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلا کر اسے ساتھ لگائے کمرے تک آیا۔ پھر اسے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھایا اور خود بھی اس کے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھا۔

"کیسی طبیعت ہے اور دن کیسا گزرا۔" اس نے دائنہ کا ہاتھ سہلاتے ہوئے محبت سے پوچھا۔

"طبیعت بھی ٹھیک ہے اور دن بھی اچھا گزرا۔ آپ نے آج کوئی کال نہیں کی مجھے۔" وہ اسے دیکھتی خفگی سے بولی۔

"بزی تھا اس لیے۔" اس نے آگے کو جھک کر اس کی گلابی پنکھڑیوں کو نرمی سے چھوا۔ اب وہ اس کی ٹھوڑی کو چھو رہا تھا۔

"اطیب۔" دائنہ نے دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر اسے پیچھے دھکیلا۔

"مجھے تنگ مت کریں، میں چائے منگواتی ہوں آپ تب تک چینج کر آئیں۔"

"جا رہا ہوں یار۔" وہ بدمزا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "عجیب بیوی ہو ویسے، جسے شوہر اور شوہر کی محبت کی کوئی پرواہ نہیں۔"

"مجھے کس کی کتنی پرواہ ہے آپ اچھے سے جانتے ہیں اطیب۔" وہ اس کی بات پر خفا ہو کر بولی۔

"سب جانتا ہوں میری جان۔" اس نے پھر سے جھک کر اس کے ماتھے کو چوما اور کوٹ بازو پر لٹکا تا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ دائنہ نے اس کے دروازے کے پار اوجھل ہوتے ہی مسکرا کر آنکھیں موند لیں۔

یہ شخص کیا تھا آخر جس کی محبتیں اور ان محبتوں کی شدتیں ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھیں اور دائنہ اکرام کے شکرانے کے سجدے بھی کہ جسے اللہ رب العزت نے اطیب لغاری جیسا جیون ساتھی عطا کیا تھا۔

محبت کم نہیں کرنا
کوئی بھی روگ دے دینا
کوئی بھی نام دے دینا
نہیں صبح سہانی تو
غموں کی شام دے دینا
میری تاریک راتوں سے
تم اپنی چاہتوں کی لو
کبھی مدھم نہیں کرنا
محبت کم نہیں کرنا

......

جاذب اکرام نے سپیشلائزیشن کمپلیٹ ہونے کے بعد اسلام آباد میں اپنے ماموں احسان صاحب کے ساتھ مل کر ان کے کلینک کو مزید وسیع اور جدید کر لیا تھا۔ احسان صاحب ہارٹ اسپیشلسٹ تھے جو اسلام آباد میں اپنا ذاتی کلینک چلا رہے تھے۔ جاذب نے سات، آٹھ ماہ کی محنت اور سرمائے سے ان کے کلینک کو ایک چھوٹے

مگر مکمل ہوسپٹل کی شکل دے دی تھی۔

دوسری طرف اسی عرصے میں اکرام صاحب نے بھی اپنے حصے کے بزنس کو وائنڈ اپ کر لیا تھا جب ان کی اولاد نے پاکستان میں ہی سیٹلڈ ہونا تھا تو پھر وہ دیارِ غیر میں رہ کر کیا کرتے۔ویسے بھی اپنی مٹی کی کشش انسان کو عمر کے کسی بھی حصے میں اپنی طرف کھینچ ہی لاتی ہے اور وہ بھی اس مٹی کی کشش اور محبت میں پاکستان چلے آئے تھے جبکہ علینہ کے پیرنٹس علینہ کے دونوں چھوٹے بھائیوں کی تعلیم مکمل ہونے تک وہیں رک گئے تھے اور مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق علینہ بھی وہیں ان کے ساتھ لندن میں ہی تھی۔

مکرم لغاری نے حال ہی میں اپنے بزنس کی تیسری برانچ اسلام آباد میں کھولی تھی جسے پہلے تو اذلان لک آفٹر کر رہا تھا لیکن چھوٹے بھائی کے پاکستان شفٹ ہوتے ہی انہوں نے اذلان کو واپس لاہور بلوا لیا تھا اور وہاں کا مکمل ہولڈ اکرام لغاری کے حوالے کر دیا تھا جسے اب وہی چلا رہے تھے۔ارسلان صاحب کے پاکستان آنے کے بعد ہی ان کا پھر سے مل کر بزنس شروع کرنے کا ارادہ تھا اور تب تک وہ مکرم لغاری کے بزنس کو ہی سنبھالنا چاہتے تھے۔

جاذب اور علینہ کے نکاح کو تین سال ہونے کو تھے اور اب جبکہ وہ سیٹلڈ بھی ہو چکا تھا تو رخصتی تو بنتی ہی تھی، سوتانیہ نے بہن، بہنوئی اور باقی سب کی باہمی رضا مندی سے اگلے ماہ کی ڈیٹ فائنل کر لی تھی اور اب ان گھرانوں میں شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔شادی سے کچھ دن پہلے دائنہ اطیب سے ضد کر کے اسلام آباد آ گئی تھی۔اطیب ہرگز اسے دس، بیس دن کے لیے خود سے دور نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن مجبوری تھی سو بے دلی سے ہی سہی پر ماننا پڑا۔لیکن دن میں دس دفعہ وہ کال کر کے اس سے یہی سوال دہراتا تھا کھانا کھایا، میڈیسن لی، طبیعت کیسی ہے، ہمارا بے بی کیسا ہے، واک کر لینا یاد سے وغیرہ۔

جس پر علینہ تو اس کا خوب ہی ریکارڈ لگا رہی تھی۔کہاں تو دونوں کو نکاح سے پہلے ایک ملاقات کا بھی شوق نہیں تھا اور کہاں اب ایک پل کے لیے بھی وہ ایک دوسرے سے غافل نہیں ہوتے تھے۔

محبتوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ان کے درمیان بہہ نکلا تھا اور علینہ تہہ دل سے دعا گو تھی کہ ان کی محبت کے دیپ بجھے بنا ہمیشہ یونہی جلتے رہیں۔

تیری زندگی کی خوشیاں سدا یونہی رہیں سلامت
کوئی بھی غم جاناں تجھے چھو کر نہ گزر پائے

”اوئے ہوئے شرمیں آ رہی ہیں۔“ دائنہ جو سب کاموں سے فارغ ہو کر بھائی کے کمرے میں دودھ کا جگ لے کر آئی تھی علینہ کو بلش کرتے دیکھ کر چھیڑتی دھڑام سے اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھی وہ جو لہنگا پھیلا کر شرمائی لجائی سی بیٹھی ہوئی تھی۔ دائنہ کے اس طرح دھڑاپ سے بیٹھنے پر غصیلی نظروں سے گھورنے لگی۔

”کچھ شرم کر لو دائنہ! سیونتھ منتھس کی پریگنینسی ہے تمہاری۔“

”اوہ تو کہاں لکھا ہے کہ پریگنینسی میں بندہ ہنسنا، بولنا اور اٹھنا، بیٹھنا چھوڑ دیتا ہے۔“

”احتیاط بھی کسی چیز کا نام ہوتا ہے اور اطیب بھائی بیچارے صحیح تمہیں دن میں دس کالز پر یہی نصیحتیں کرتے ہیں۔“

”دلہن ہو دلہن بن کر بیٹھو میری ماں مت بنو سمجھی۔“

”ہونہہ۔“ علینہ نے سر جھٹکا۔ دائنہ کو کچھ بھی سمجھنا بہت مشکل تھا اور اب تو ویسے بھی کافی ضدی سی ہو گئی تھی۔

”اچھا چھوڑو لڑائی یہ بتاؤ کیسی فیلنگز ہیں۔“ دائنہ نے فوراً سے صلح کا جھنڈا لہرایا۔

”رومینٹک۔“ علینہ نے آنکھیں بند کر کے بازو پھیلائے۔

”مجھے تم سے یہی امید تھی ویسے۔“ وہ ہنسی۔ ”اور ہاں آج اپنے رومینس کو عملی جامہ بھی پہنا ہی دینا موقع اچھا ہے۔“ اس نے آنکھ دبا کر رازداری سے کہا۔

”تم فکر ہی نہ کرو بس اپنے بھائی کی سلامتی کی دعائیں مانگو۔ کل سے میری کال نہیں لے رہا ہے اور میں چھوڑوں گی نہیں اسے۔“ علینہ دانت کچکچا کر یوں بولی جیسے دانتوں کے نیچے جاذب کی گردن ہو۔

”شانت ہو جاؤ لڑکی، خبردار اگر میرے بھائی کو کچھ کہا تو، اتنا معصوم سا تو ہے وہ۔“ دائنہ نے پیار سے بھائی کی سائیڈ لی۔ یہ ہمارے ہاں ایک عام المیہ ہے کہ بہن کو ہمیشہ اپنا بھائی معصوم اور بیچارا ہی لگتا ہے۔

”اور تم پوری ہٹلر کی جانشین ہو۔ یقیناً تم نے ہی کچھ ایسا ویسا کہا یا کیا ہوگا جو انہوں نے کال نہیں لی۔“

''اوہو نہیں، میں نے تو بس اتنا کہا تھا کہ جاذب ہم......''اس نے فراٹے بھرتی زبان کو ایکدم سے بریک لگائی تھی۔

''اوہ یہ تو میاں بیوی کی پرسنل باتیں ہیں۔''اس کے کھسیا کر کہنے پر دائنہ بے اختیار ہنستی چلی گئی۔

''دفع ہو جاؤ دائنہ۔ مذاق مت اڑاؤ میرا۔''

''ہاہاہا۔''دائنہ نے سینہ سہلا کر بمشکل ہنسی روکی۔

''میں جانتی ہوں میاں بیوی کی پرسنل باتوں کو۔ مذاق ہر گز نہیں اڑا رہی یہ سوچ کر ہنسی آ رہی ہے کہ میرے بھائی بیچارے کا کیا بنے گا۔''

''وہی جو تم نے اطیب بھائی کا بنایا ہے۔''وہ چڑ کر دوبدو بولی۔

''میں نے نہیں بنایا انہوں نے میرا بنایا ہے۔''وہ آنکھ مارتی جلدی سے پیچھے ہٹی کہ علینہ ہاتھ کا پنچ بنا چکی تھی۔

''دفع ہو جاؤ مسز دائنہ اطیب لغاری۔''وہ غصے سے غرائی۔

دائنہ نے ہنسنے کے باعث گالوں پر آئے آنسو صاف کیے۔

''جا رہی ہوں مسز علینہ جاذب عرف ایڈیٹ جانتی ہوں کیوں بھگا رہی ہو مجھے یہاں سے۔ پر یاد رکھنا تم نے میری دفعہ مجھے رات ساڑھے بارہ تک تنگ کیا تھا اور میں ساڑھے بارہ سے پہلے جاذب بھائی کو کمرے میں ہر گز نہیں آنے دوں گی۔ انتظار کرتی رہو بیٹھ کر۔''

وہ کندھے اچکا کر بدلہ چکاتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''دائنہ! ابھی دس بجے ہیں اور میں ساڑھے بارہ تک کا انتظار برداشت نہیں کر سکتی اس لیے شرافت سے جاذب کو بھیج دو ورنہ میں خود لینے آ جاؤں گی۔''

دائنہ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتی مڑی۔

''تم سے امید بھی یہی ہے بے شرم لڑکی۔ دلہن بن کر بیٹھو اور دلہے کا انتظار کرو کہ دلہا کمرے میں اپنی مرضی سے ہی آتا ہے اور ہو سکتا ہے جاذب بھائی کا کال اٹینڈ نہ کرنے کی طرح کمرے میں بھی نہ آنے کا ارادہ ہو۔''

اس کی بات پر علینہ نے اپنا ہاتھ سینڈل کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ وہ ہنستی ہوئی چھپاک سے کمرے سے نکل گئی۔

ہوسپٹل کے گائنی وارڈ میں ادھر سے ادھر چکر لگاتے اسے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا۔

وہ سب پریشان سے وہیں موجود تھے لیکن اس کے چہرہ پر اڑتی ہوائیاں اس کے اندر کے اضطراب اور بے چینی کو صاف ظاہر کر رہی تھیں۔

مکرم لغاری نے اس کے چہرے پر پھیلتی پریشانی کو کئی بار چور نظروں سے دیکھا تھا لیکن اس کے پاس جا کر حوصلہ دینے کی ہمت مفقود تھی۔

''اطیب بھائی! انشاء اللہ سب ٹھیک ہو گا آپ پریشان مت ہوں۔'' علینہ کی آواز پر وہ اس کی طرف مڑا اسے دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

''آپ پلیز بیٹھ جائیں۔ تھک جائیں گے کب سے چکر لگا رہے ہیں۔''

اطیب واقعی فکر مند دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے بہت مشکل سے کھینچ کھانچ کر لبوں پر ہلکی مسکراہٹ سجائی۔

''آئی ایم فائن علینہ۔''

''یو لک ناٹ فائن اطیب۔ آؤ بیٹھو کچھ نہیں ہو گا انشاء اللہ سب خیریت ہو گی۔'' جاذب اسے کندھوں سے تھام کر ساتھ لے کر چیئرز کی طرف چلا آیا۔ اس نے بیٹھ کر خاموشی سے سر جھکا دیا۔ اس کا رواں رواں مختلف مناجات میں مصروف اپنی زندگی کی زندگی کے لیے دعا گو تھا جو ان کے ملن سے ایک نئے دیپ کو جنم دینے کے لیے زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی۔ بالآخر کٹھن وقت کا اختتام ہوا اور ڈاکٹر بیٹی کی پیدائش کی خبر دیتی اور دائنہ کے آؤٹ آف ڈینجر ہونے کا بتاتی وہاں سے چلی گئی۔ خبر ملتے ہی سب کے چہرے کھل اٹھے تھے۔ اطیب نے جلدی سے سیل نکالا اور اس پر نمبر ملاتا دوسری طرف چلا گیا۔

''السلام علیکم سر۔'' اس کی آواز میں چھپی خوشی اور مسرت قابل دید تھی۔

''وعلیکم السلام بیٹا! کہو کیسی خبر ہے۔'' وہ اس کے چھکتے لہجے پر جان تو چکے تھے کہ اس کی خواہش پوری ہو چکی

ہے مگر پوچھنا ضروری تھا۔

''سر! اللہ رب العزت نے میری خواہش پوری کر دی ہے۔ بیٹی ہوئی ہے۔'' وہ خوشی سے کھنکتی آواز میں جلدی سے بولا تھا۔

''ماشاءاللہ۔ بہت بہت مبارک ہو اطیب اور دائنہ بیٹی کیسی ہے؟''

''سر، شی از فائن۔ روم میں شفٹ ہو گی تو ہی ملاقات ہو گی مجھے ابھی خبر ملی تھی اور میں نے پہلی اطلاع آپ کو دی ہے۔''

''میں بہت خوش ہوں اطیب۔ اللہ پاک بچی کے نصیب اچھے کرے اور ماں باپ دونوں کے لیے ٹھنڈک کا باعث بنے۔ آمین۔''

''آمین سر۔ میں شام میں آتا ہوں آپ کی طرف۔''

''ہاں ہاں ضرور۔ میں بھی چکر لگاؤں گا۔ دعا اور دائنہ بیٹی کی خیریت دریافت کرنے کے لیے۔''

ان کے بچی کو دعا کہنے پر اطیب مسکرا دیا وہ اس کی بیٹی اور اس کے دعا نام رکھنے کی خواہش سے آگاہ تھے۔

''جی سر میں خود لے آؤں گا آپ کو۔''

''اطیب بھائی۔'' علینہ کی پکار پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ گلابی کمبل میں لپٹی اس کی پرنس کو لیے اسے بلا رہی تھی۔

''سر شام میں ملاقات ہوتی ہے میں ذرا بیٹی کو دیکھ لوں۔''

''بالکل جاؤ اور بچی کے کان میں اذان تم خود دینا اطیب۔''

''جی سر، میں ہی دوں گا۔''

''چلو پھر جاؤ اللہ پاک تمہیں بہت سی خوشیوں سے نوازے۔ اللہ حافظ۔''

''آمین۔'' وہ ان کی دعا پر بڑبڑایا اور اللہ حافظ کہہ کر کال بند کرتا جلدی سے علینہ کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر بہت احتیاط اور محبت سے بچی کو تھام لیا۔

''ماشاءاللہ شی از سو کیوٹ۔'' اس نے مسکرا کر لب اس کے ماتھے پر رکھے۔

''کس سے مل رہی ہے اس کی شکل۔'' تانیہ نے اطیب کو دیکھ کر پوچھا۔

''مجھے تو دائنہ کی کاپی لگ رہی ہے۔'' جواب اطیب کی بجائے نگین نے دیا تھا۔

''نہیں، مکمل دائنہ کے جیسی نہیں ہے ہونٹ اور ٹھوڑی سے دائنہ جیسی ہے اور ناک اطیب جیسا۔'' جاذب نے غور وخوض کے بعد اپنا خیال پیش کیا جو کافی حد تک درست تھا۔ اطیب نے اس کے خیال پر متفق ہوتے ہوئے جھک کر اپنی پرنسس کے چھوٹے چھوٹے گلابی ہونٹ چھو لیے۔

''سو کیوٹ مائی ڈول۔'' اس نے بچی کو سینے میں بھینچا۔

''اچھا دائنہ کو روم میں شفٹ کر دیا ہے ہم ذرا اسے دیکھ لیں تم اپنی بیٹی سے لاڈ پورے کر لو۔'' تانیہ نے مسکرا کر کہا اور وہ، نگین اور علینہ روم کی طرف بڑھ گئیں۔ جاذب پہلے ہی اس طرف جا چکا تھا۔

اطیب نے مزید دو، چار بوسے لے کر بچی کو پریشان کیا جو ہر بوسے پر کسمسا دیتی تھی اور وہ پھر سے جھک کر ایک اور بوسہ لے ڈالتا۔

باپ بیٹی کو ایک دوسرے میں مگن دیکھ کر مکرم لغاری بھی دائنہ کے کمرے کی طرف جانے کے لیے اس کے قریب سے گزرے تھے جب وہ فوراً سے سیدھا ہوا۔

''بابا۔''

اس کی مدھم پکار پر وہ مڑے بنا رک گئے۔ اطیب قدم قدم چلتا ان کے سامنے آیا اور خاموشی سے کمبل میں لپٹی گڑیا کو ان کی طرف بڑھا دیا۔ مکرم لغاری نے جلدی سے بچی کو بازوؤں میں لیا اور اس کے چھوٹے چھوٹے گلابی روئی سی گالوں کو چوما۔

''ماشاءاللہ بہت پیاری ہے بلکہ جونیئر دائنہ ہے۔'' باپ کی بات پر وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

''کانگریچولیشنز اینڈ تھینکس فار دس پریشیئس گرینڈ ڈاٹر۔'' انہوں نے مسکرا کر پوتی کا ماتھا چوما۔

''سر، بچی کو دے دیں ہمیں بچی کو کچھ دیر کے لیے آبزرویشن میں رکھنا ہے۔''

نرس کے کہنے پر مکرم لغاری نے احتیاط سے بچی کو اسے تھمایا اور وہ بچی کو لے کر چلی گئی۔ اب وہ باپ بیٹا وہاں اکیلے رہ گئے تھے۔ وہ بازو پشت پر باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔

مکرم لغاری بیٹے کے دل میں چھپی خواہش جان گئے تھے۔آج سے دو، ڈھائی سال پہلے بھی وہ اسی طرح ان کے پاس آیا تھا اور وہ تب بھی اس کی خواہش جان گئے تھے لیکن جان بوجھ کر اگنور کر گئے لیکن آج وہ ہرگز اس کو جھٹلانا نہیں چاہتے تھے اس لیے قریب ہو کر ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا۔

باپ کے لمس پر اطیب لغاری نے جھکا سر اور نیچی نظریں اٹھائیں۔اس کی آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔اس سے پہلے کہ پانی چھلک کر گالوں پر بہتا وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

I am sorry for bishevery & recusancy.Baba

(مجھے ہر غلطی اور نافرمانی پر معاف کر دیں بابا)

اس کی بڑبڑاہٹ پر مکرم لغاری نے اپنی آنکھوں کی نمی کو اندر اتارا اور کھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

Don't feel sorry my son. you are my proud.

(معافی مت مانگو میرے بیٹے تم میرا فخر ہو)

وہ کافی دیر اسے خود سے بھینچے کھڑے رہے اور اطیب بھی ان کا کندھا بھگوتا ان کے بازوؤں کے گھیرے میں خود کو بہت...... بہت زیادہ پرسکون اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔تیرہ سال کی ہر اذیت، ہر تکلیف کا ازالہ ایک پل میں ہو چکا تھا۔

اس کے باپ نے اسے اپنا بیٹا مان کر سینے سے لگا لیا تھا۔اسے اور کیا چاہیے تھا اللہ پاک نے اس کی ہر خوشی اور ہر خواہش پوری کر دی تھی۔اس کا دل اس کے جسم کا ہر رواں اپنے رب کی کرم نوازیوں پر سجدہ ریز تھا۔

انسان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے ہماری آنسوؤں سے بھیگی کوئی بھی رات اور تکلیف میں گزرا کوئی بھی دن کبھی رائیگاں نہیں جاتا کیونکہ زندگی کا ہر آسان اور تکلیف دہ لمحہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کسی عظیم منصوبے کا حصہ ہوتا ہے جو کبھی تو جلدی سمجھ میں آجاتا ہے اور کبھی انتظار کرنا پڑتا ہے۔اطیب لغاری نے بھی اس عظیم منصوبے کو سمجھتے ہوئے بڑے صبر سے انتظار کیا تھا اور آج اسے اپنے صبر کا پھل مل چکا تھا۔

۞......۞......۞

وہ بیڈ کے پاس کھڑا اس کی چہرے کے ہر ہر نقش کو آنکھوں کے رستے دل میں سمو رہا تھا جو دوائیوں کے زیر

اثر نیم غنودگی میں تھی۔

سب لوگ دائنہ سے مل کر گھر جا چکے تھے بلکہ اطیب نے خود ہی سب کو بھیجا تھا تا کہ وہ کچھ ریسٹ کر لیں جو صبح سے وہیں تھے اور اب تنہائی ملتے ہی وہ اس کے سرہانے کھڑا محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتا جا رہا تھا جس نے اس کی زندگی کو مکمل کر دیا تھا۔ دائنہ کے آہستگی سے پلکیں جھپکنے پر اس نے جھک کر اس کی پلکوں کو نرمی سے چھوا۔

”کیسی ہو ڈارلنگ؟“

اس کے پوچھنے کے انداز پر وہ مندھی مندھی آنکھیں کھولتی مسکرا دی۔ دائنہ کے مسکرانے پر وہ پھر سے جھکا تھا اور اس کے لبوں کو نرمی سے چھو کر اس کا ہاتھ تھاما اور پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

”تھینکس فار دعا۔“ اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے پیار سے بولا۔

وہ پھر سے مسکرائی۔

”کیسی ہے وہ؟“ آواز میں نقاہت مگر لہجے میں خوشی تھی۔

”تم نے دیکھا تھا ناں، تم بتاؤ۔“

”مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آیا کہ کس جیسی ہے۔“ اس کے معصومیت سے کہنے پر اطیب بے اختیار مسکرا دیا۔

”میں بتاتا ہوں کیونکہ میں پہچان چکا ہوں۔“ وہ شرارت سے کہتا اس پر جھکا۔

”اطیب! تنگ مت کریں پیچھے ہوں۔“ اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیلا۔

”بتانے تو دو مجھے۔“ انداز شرارت لیے ہوئے تھا۔

”اسی طرح سے بتائیں میں سن رہی ہوں۔“ اس کے دور رہ کر بتانے کے اشارے پر وہ ہنس دیا۔

”اچھا سنو، میرا اور جاذب کا خیال ہے کہ ہماری دعا ہونٹوں اور ٹھوڑی سے تم جیسی ہے جبکہ اس کی پیاری سی ناک مجھ پر گئی ہے ابھی آنکھوں کا رنگ نہیں پتا چلا اس نے آنکھیں ٹھیک سے کھولی ہی نہیں کہ میں جان سکتا وہ براؤن بیوٹی ہے کہ بلیک۔ ممی سے پوچھا تھا کہ یہ صحیح سے آنکھیں کب کھولے گی تو میری بیتابی پر سب ہنسنے لگے اور جواب بیچ میں ہی رہ گیا۔ تم بتاؤ کب کھولے گی پوری آنکھیں؟“

”صبح تک مے بی۔“ وہ بھی اندازہ لگا کر بولی تھی۔

''اس کی آنکھوں کا رنگ براؤن ہی ہونا چاہیے اطیب مجھے براؤن آنکھیں بہت پیاری لگتی ہیں۔''

''ہاں ناں، لگیں گی ہی پیاری میری جو براؤن ہیں۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''اوہ کسی خوش فہمی میں مت رہیں مجھے براؤن آئیز اس لیے اچھی لگتی ہیں کہ بابا کی آئیز بھی براؤن ہیں اور تایا ابو کی بھی۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''چلو ان ڈائیریکٹلی ہی سہی۔'' وہ ہنسا۔

''ہاں یاد آیا۔ سر اسید تمہیں مبارکباد دے رہے تھے۔''

''وہ آئے کیوں نہیں؟'' وہ بے تابی سے بولی۔

''ارے جان من۔ پہلے تم اور تمہاری بیٹی آنکھیں تو کھول لو صحیح سے۔'' اس کے مذاق اڑا کر قہقہہ لگانے پر دائنہ نے ہاتھ کا مکا بنا کر اسے مارا ۔

''بہت بدتمیز ہیں آپ۔''

''نوازش ہے آپ کی۔'' وہ سر خم کرتا دل پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔ دائنہ مسکرا دی۔

''اچھا یہ سوپ پی لو۔ ممی نے بھجوایا ہے۔'' اس نے پاس پڑے باؤل کی طرف اشارہ کیا اور احتیاط سے اسے بٹھا کر سوپ پلانے لگا۔

آج تو لغاری پیلس کی سج دھج کسی دلہن سے کم معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ چاروں طرف لائٹس لگا کر خوبصورتی سے سجا لغاری پیلس ہر آنکھ کو خیرہ کر رہا تھا۔ لان میں صوفے اور ٹیبلز سجا کر سیٹنگ ارینجمنٹ کی گئی تھی اور کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا اسٹیج بنایا گیا تھا جس کے بیچ پڑا ٹیبل پھولوں کی پتیوں سے ڈھکا ہوا تھا اور عین اس کے وسط میں تھری اسٹوری کیک رکھا تھا جس کی پہلی لیئر پر ''ویلکم'' دوسری پر ''ان دس ورلڈ'' اور آخری پر ''مائی پریشیس گرینڈ ڈاٹر'' لکھا تھا۔

یہ مکرم لغاری کی طرف سے لغاری پیلس کی پہلی پوتی کے اس دنیا میں آنے کی خوشی میں رکھی گئی تقریب تھی جس میں فیملی کے علاوہ دیگر ریلیٹیوز اور دوست احباب مدعو تھے۔

دعا اطیب پہلی پوتی ہی نہیں بلکہ لغاری پیلس کا پہلا بچہ تھی کیونکہ ازلان اور عمارہ شادی کے سات سال گزرنے کے بعد بھی اولاد کی نعمت سے فی الحال محروم تھے۔اس لیے سب کے خیال میں دعا اطیب اس قسم کے پروٹوکول کی خاص الخاص حقدار تھی۔

دائنہ سے اطیب نے ساڑھی پہننے کی فرمائش کی تھی جو وہ اپنی پسند سے اس کے لیے خرید کر لایا تھا۔اس نے کبھی ساڑھی نہیں پہنی تھی۔ یہ پہلا تجربہ تھا اور ساڑھی باندھنے میں بھی اسے عمارہ بھابھی کی مدد لینا پڑی تھی وہ اس کی ساڑھی سیٹ کر کے چلی گئی تھیں اور اب دائنہ بہت احتیاط سے قدم اٹھاتی کمرے میں ہی چکر لگا کر چیک کر رہی تھی کیونکہ وہ بیچاری ڈر رہی تھی کہ کہیں ساڑھی کھل ہی نہ جائے۔

دو، چار چکر لگا کر جب اسے یقین ہو گیا کہ ساڑھی مضبوطی سے بندھی ہے اور وہ آسانی سے چل پھر سکتی ہے تو شکر کرتی اور اپنی سوچ پر ہنستی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

بلیک ساڑھی کے ہم رنگ ٹاپس اور چوڑیاں پہنیں اور ہونٹوں پر لائٹ پنک کلر کی لپ اسٹک پھیرنے لگی جب اس کے اردگرد دو مضبوط بازوؤں کا حصار بندھا۔

چاند سا چہرہ
قاتل آنکھیں

اور
ریشمی زلفیں
دیکھ کہ تیرے
ہونٹ گلابی
ہم کیسے نہ بہکیں!

وہ مدھر آواز میں اس کے کان کے پاس گنگنایا تھا۔

"اف یہ اتنی رومینٹک پوئٹری کہاں سے یاد کی۔" وہ آدھی آنکھیں میچ کر بولی۔

"یاد نہیں کی ابھی گوگل سے سرچ کی تھی تو سوچا تمہیں بیوقوف بنا دوں۔" وہ آنکھ دبا کر ہنسا۔

''ہاں میں تو جیسے بن گئی بیوقوف'' وہ جل کر بولی تھی۔اس کے جلے انداز پر اطیب قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''بن تو چکی ہو اب مانو یا مانو۔''

''اچھا ہٹیں پیچھے مجھے تیار ہونے دیں دیر ہو رہی ہے۔دعا کدھر ہے؟''

''اپنے دادا کے پاس۔'' وہ اس کے بالوں کا جوڑا کھول کر پیچھے ہٹا۔

''کیا بدتمیزی ہے اطیب۔'' وہ غصیلی نظروں سے اسے گھور کر چلائی۔اتنی مشکلوں سے اس نے اسٹائلش سا جوڑا باندھا تھا اور اطیب نے پانی پھیر دیا ساری محنت پر۔

''کھلے رہنے دو۔''

''مجھے کھلے بال پسند نہیں ہیں آپ جانتے ہیں پھر بھی ہمیشہ ایسا کرتے ہیں آپ۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

''ہاں تو کبھی میری بھی مان لیا کرو۔''

''آپ کی مانی ہے اسی لیے یہ مصیبت پہن کر کھڑی ہوں۔'' اس نے کڑھ کر ساڑھی کی طرف اشارہ کیا۔

''اس لیے آج پہلی دفعہ اتنی پیاری لگ رہی ہو۔'' وہ شریر نظروں سے اسے سرتاپا دیکھتا بولا۔

''آپ ہیں ہی فضول انسان۔'' وہ جل کر کہتی مڑ کر پھر سے بالوں کا جوڑا بنانے لگی۔

''اسی فضول انسان سے عشق کر بیٹھی ہو۔''

''واہ بندہ خوش فہم ہو تو آپ سا۔'' منہ یوں بنایا جیسے کڑوا بادام کھا لیا ہو۔اطیب جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا جب اس کا سیل گنگنایا، سکرین پر اذلان کا نام دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کال اٹینڈ کی۔

''ابے لیلیٰ مجنوں کی جوڑی! باہر کب آ رہے ہو تم لوگ۔''

''آ رہے ہیں اتنی جلدی کیا ہے؟''

''تجھے جلدی نہیں ہو گی مگر ہمیں ہے اس لیے باقی کا رومینس ڈیو رکھو اور باہر آؤ ورنہ میں یہاں کی پلٹون تمہارے کمرے کی طرف بھجوا رہا ہوں۔'' اس کے دانت پیس کر کہنے پر اطیب قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''یہ غضب مت کیجئے گا۔ہم آ رہے ہیں بس میری بیوی کی تیاری ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہی۔'' اس نے مڑ کر آئینہ میں نظر آتے دائنہ کے عکس کو دیکھ کر شرارت سے کہا۔

''یہ جھوٹ بول رہے ہیں ازلان بھائی۔'' وہ وہیں کھڑے کھڑے چلائی۔ ''بدتمیزی کر رہے ہیں یہ۔'' دائنہ کے چیخ کر کہنے کی آواز ازلان تک پہنچ چکی تھی۔

''ابے خبیث انسان! بیوی سے بدتمیزی کون کرتا ہے بھلا۔'' اس کے مسکراہٹ دبا کر شریر انداز میں کہنے پر دونوں بھائی قہقہہ لگا کر ہنس دیئے کہ دونوں ہی بات کا مفہوم جانتے تھے۔

......

دعا مکرم لغاری کی بانہوں میں تھی اور دائیں بائیں اس کے ماں باپ کھڑے تھے۔ مکرم لغاری نے پوتی کے چھوٹے سے ہاتھ کو چوما اور اپنے ہاتھ میں اس کا ہاتھ لے کر چھری پکڑی دائیں بائیں کھڑے اطیب اور دائنہ نے بھی ان کے ہاتھ پر اپنا اپنا ہاتھ رکھا اور بہت سی تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا۔

سب کے چہروں پر بکھرتی سچی خوشیاں قابل دید تھیں۔ وہ سب ایک ساتھ کھڑے مکمل اور پرفیکٹ فیملی کی بہت پیاری تصویر معلوم ہو رہے تھے۔ کیک کٹ جانے کے بعد اطیب نے آہستگی سے دائنہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لیے اسٹیج سے اتر آیا۔

''کیا ہو گیا ہے اطیب؟ کہاں لے جا رہے ہیں؟''

''بولو مت لڑکی۔ میں تمہیں کڈنیپ کر رہا ہوں۔'' اس نے آنکھیں نکال کر لہجے کو خوفناک بنایا۔

''ویری فنی۔'' وہ مذاق اڑاتی ناک مروڑ کر بولی۔

''ایک تو تم ڈرتی نہیں ہو بزدل لڑکی۔''

اطیب کی بات پر وہ اس کے بازو پر مکا مارتی ہنس دی۔

''ڈرتی نہیں ہوں پھر بھی بزدل ہی ہوں۔''

''ایسا ہی ہے کچھ۔'' وہ گردن گھما کر اس کو چڑا کر بولا۔

''کہاں لے جا رہے ہیں اطیب! دعا کو تو لینے دیتے۔ وہ تایا ابو کو تنگ کر رہی ہو گی کب سے ان کے پاس ہے۔''

''تمہارے تایا ابو کو بیٹیاں سنبھالنے کا خاصا تجربہ ہے اور مجھے لگتا ہے کہ اگر وہ عورت ہوتے تو بہترین ماں

بنتے۔“

”ہاہاہا۔“ دائنہ منہ پر ہاتھ رکھتی جھک گئی۔ اطیب نے بات ہی کچھ ایسی کی تھی کہ مکرم لغاری فوراً سے عورت کے روپ میں دائنہ کی آنکھوں کے سامنے آ گئے۔

”بہت ہی کوئی بدتمیز اولاد ہیں آپ تایا ابو کی۔“ وہ ہنسی روک کر اس پر آنکھیں نکال کر بولی۔

”پہلے نہیں تھا تم نے کر دیا ہے بلکہ تمہاری وجہ سے ہوا ہوں۔“ وہ اس کا ہاتھ دباتا شرارت سے بولا۔

”میں جانتی ہوں آپ کے ساتھ جو بھی ہوتا ہے سب میری وجہ سے ہی ہوتا ہے۔“

”السلام علیکم سر۔“ اطیب نے سائیڈ پر لگی ٹیبل پر لے جا کر اس کا ہاتھ چھوڑا اور فوراً سے آگے بڑھ کر اسید درانی سے مصافحہ کیا۔ انہوں نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

”السلام علیکم۔“ دائنہ کے سلام کے جواب میں انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ڈھیروں ڈھیر دعائیں دے ڈالیں جو وہ ہمیشہ ہر ملاقات پر اسے دیتے تھے۔

”مجھے آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ اطیب نے مجھے آپ کے آنے کے بارے میں بالکل نہیں بتایا تھا۔“ وہ ایکسائیٹڈ سی بولی

”اطیب نے انوائٹ کیا تھا بلکہ یہ خود لے کر آیا ہے مجھے۔“ انہوں نے محبت سے پاس کھڑے اطیب کو دیکھا۔

”ہماری پہلی خوشی تھی سر اور آپ کے بغیر سب ادھورا رہتا۔“

”یہ تو تمہاری محبت ہے اطیب۔“ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ اتنے میں مکرم لغاری دعا کو لیے وہیں چلے آئے۔ اسید درانی نے ان سے مصافحہ کے بعد دعا کو گود میں لیا اور اس کا ماتھا چوما۔

”ماشاءاللہ بہت پیاری بچی ہے۔ اللہ پاک نصیب اچھے کرے۔“

”آمین!“ ان کی دعا پر سب نے آمین کہا اور دائنہ نے دعا کو ان سے لے لیا جو رونے کا موڈ بنا رہی تھی۔ مکرم لغاری اسید درانی کو لیے صوفے کی طرف بڑھ گئے۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد مکرم لغاری نے گلا کھنکارا کر بات کا آغاز کیا۔

”میں بہت پہلے ہی آپ سے مل کر آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا لیکن مصروفیت کی وجہ سے کبھی فرصت سے ملاقات نہیں ہو پائی۔“

”شکریہ کیسا لغاری صاحب۔ اطیب کو میں نے ہمیشہ اپنا بیٹا سمجھا ہے۔“

”یہی تو آپ کی بڑائی ہے کہ آپ نے اطیب کو اپنا بیٹا سمجھا ورنہ میں نے تو اسے......“ وہ افسردگی سے کہتے خاموش ہوئے۔

”جانے دیجئے پرانی باتیں لغاری صاحب۔ رب تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کہ اس پاک ذات نے آپ کو اتنی تابعدار اور نیک اولاد عطا کی۔ وہ برا کبھی بھی نہیں تھا بس غلط صحبت سے برے راستے پر چل نکلا تھا لیکن اللہ رب العزت نے بروقت اسے برائی سے بچا کر اچھائی کے رستے پر چلنے کی توفیق دی۔“ وہ عاجزی اور نرمی سے بولے تھے۔ ان کی عاجزی وانکساری پر مکرم لغاری متاثر ہوتے ان کی طرف مڑ کر بیٹھے لیکن اسے اس راستے پر لانے کا سبب آپ ہی بنے ہیں اسید صاحب اور میں اللہ پاک کے بعد آپ کا بہت زیادہ مشکور ہوں کہ جس نے کندن کو سونا بنا کر میرے حوالے کیا۔“

ان کی بات پر اسید درانی ہولے سے مسکرائے۔

”یہ تو آپ کی مہربانی ہے کہ آپ مجھے اس سب کا کریڈٹ دے رہے ہیں ورنہ اطیب بذات خود ایک بہت اچھا انسان تھا۔ بس ذرا سی اصلاح کی ضرورت تھی جو میں نے کی اور وہ اپنی ثابت قدمی سے ایک بہترین اور قابلِ فخر انسان بن کر آپ کے سامنے ہے۔“ اسید درانی کے لہجے میں اطیب کے لیے محبت تھی، پیار تھا، نرمی تھی اور انجانہ سا احساس تھا۔ وہ احساس جو اطیب لغاری ان کے لیے اور وہ اطیب لغاری کے لیے اپنے دل کے نہاں خانوں میں محسوس کرتے تھے اور اپنے اس احساس کو کوئی بھی نام نہیں دے پاتے تھے۔

مکرم لغاری نے پرسکون سے ہو کر نظریں اٹھائیں اور کچھ فاصلے پر کھڑے اطیب اور دائنہ کو دیکھا جو اپنی بیٹی میں مگن تھے۔ اس کی کسی بات پر دائنہ کھلکھلا کر ہنسی تھی اور اطیب نے جھک کر دعا کے گالوں پر بوسہ لے لیا تھا۔ ان کا فیصلہ درست ثابت ہوا تھا۔ دائنہ اکرام ان کی بھتیجی ہی نہیں بلکہ بیٹی تھی اور انہیں بہت عزیز تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی عزیز تر ہستی کو اگر کوئی شخص خوش رکھ پائے گا تو وہ شخص اطیب لغاری کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اور

آج انہیں اپنی سوچ کے سچ ثابت ہو جانے پر بہت خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

انہوں نے بہت فخر سے بیٹے کو دیکھا تھا اور آسودہ سے مسکرا دیئے تھے۔ان کے بچوں کے ملن کے دیپ نے جل کر ہر سو روشنی ہی روشنی بکھیر دی تھی۔

تیرے ملن کے دیپ سے روشنی ہے چار سو
تیرے ملن کی جستجو رہتی تھی روبرو
تم جو ملے تو لگتا ہے مجھ کو یوں
تیرے میرے ملن کے پھول بکھر چکے ہیں ہر سو

……ختم شد……